اہلسنت والجماعت احناف دیوبند کا ترجمان

اہل حق

Ahl e Haq

جلد 1 رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ شمارہ 4

بیاد : امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن



قرآن اور اکابر کا رمضان

رمضان کے مسائل

صدقۂ فطر

بیس رکعات تراویح ہی سنت موکدہ اسی پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے

اہلسنت والجماعت احناف دیوبند کا ترجمان



جلد 1 رمضان المبارک بمطابق ستمبر 2010ء شمارہ 4

فہرست مضامین

درس قرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿پارہ۲،سورہ بقرہ آیت ۱۸۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

تشریح: یہ حکم روزے کے متعلق ہے جوارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس پرستوں اور ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدمؑ کے زمانے سے لیکر اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعیین ایام میں اختلاف ہوا اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر ان کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہے روک سکو گے۔اور روزہ سے نفس کی قوت وشہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہئے کہ یہود و نصاری پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انھوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر وتبدل کیا تو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود اور نصاری کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔(۱)

(۱) ترجمہ شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ و تفسیر عثمانی از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

درس حدیث

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَ فِيْهِ لَيْلَةٌ" خَيْرٌ" مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّه' وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ" (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات (لیلۃ القدر) جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتا محروم ہی ہے۔

تشریح: حقیقتا اس کی محرومی میں کیا تعامل ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ریلوے ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات بھر جاگتے رہتے ہیں اگر اسّی برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں اور اگر ذرا سا چسکہ پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا سینکڑوں راتیں جاگی جاسکتی ہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو(۱)

(۱) فضائل رمضان از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

حمد باری تعالیٰ

حافظ سعد بھائی

زمین تیری زمان تیرا، ہے امر کن فکاں تیرا
تو خلّاقِ جہاں یارب! ہے مخلوق آسماں تیرا

شجر تیرے ثمر تیرے، ہے آب رواں تیرا
فلک پر ضوفشاں وہ کاروانِ کہکشاں تیرا

تو متاعِ گل خنداں، گلوں میں بوئے گل تیری
طیوران چمن تیرے، نظامِ گلستاں تیرا

بہر گوشہ بہر جانب تجلی عام ہے تیری
بہر سو ہیں تیرے جلوے، ہر ایک شئی میں نشان تیرا

ہیں اوصاف و ثنا تیرے لب خارِ بیاباں پر
وُحوشِ دشت کی یارب زباں پر ہے بیاں تیرا

درخشاں کوکب و شمس و قمر ہیں نور سے تیرے
اجالا ظلمتوں میں ہر طرف ہے ضوفشاں تیرا

ثنا خوان صرف گلشن میں عنادل ہی نہیں تیرے
گلوں میں خار بھی پایا تسبیح خواں تیرا

قلم میں ہے نہ وہ قوت، زباں میں ہے نہ وہ طاقت
بیاں ہو وصف کیسے اے مکیں ِ لا مکاں تیرا



اداریہ

ساجد خان نقشبندی

محترم قارئین کرام! یہ ماہ مبارک رمضان کا مہینہ ہے روزے کی فرضیت تقوی حاصل کرنے کیلیئے ہے بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمت کے جذبات ہیں نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا ابھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہوجاتا ہے اور شہوت ولذات کی امنگ گھٹ جاتی ہے پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں ہے۔ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے گا تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر ایک سدھار پیدا ہوجاتا ہے اگر کوئی شخص روزے ان احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعۃ نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے۔

اگر کسی نے روزے کے آداب کا خیال نہ کیا روزے کی نیت کر لی کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رہا مگر حرام کمائی غیبت کرنے اور دیگر گناہوں میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہوجائے گا مگر روزے کی برکات وثمرات سے محرومی رہے گی جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الصیام جنة ما لم یحرقه روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ محض کھانا پینا چھوڑ دے

(بخاری ص ۲۵۵،ج ۱)۔

جہاں اس روزے کا ایک مقصد تقوی حاصل کر کے حقوق اللہ کا ادا کرنا ہے وہاں انسان کو بھوکا پیاسا رکھ کر حقوق العباد کی طرف توجہ بھی دلانا ہے کہ ان لوگوں پر کیا گزرتی ہوگی جو کئی کئی راتیں فاقوں میں گزارتے ہیں محترم قارئین کرام اس وقت پورا ملک سیلاب کی تباہ کاریوں سے دوچار ہے رمضان کے اس بابرکت مہینے میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ جس طرح ہوسکے اپنے ان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں۔

ساتھ ہی ساتھ ہمیں کثرت کے ساتھ استغفار اور اپنے گناہوں کی معافی اللہ کے حضور مانگنی چاہیئے تاکہ ہمارے گناہوں کے سبب سے مملکت پاکستان اس وقت اللہ کے جس غیض وغضب کا شکار ہے اس سے ہمیں نجات ملے۔

اہلحق کا یہ شمارہ رمضان کے مہینے کی مناسبت سے رمضان کا خصوصی شمارہ ہے۔میں اس موقعہ پر محترم an_honest بھائی کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے اس شمارے کی تیاری میں بندے کا بھرپور ساتھ دیا۔اس شمارے میں روزے کے متعلق مسائل بھی شامل کیئے گئے ہیں جو کہ حضرت مفتی محمد صادق آبادی (شاگرد خاص مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ) ناظم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کے فتاوی جات سے ماخوذ ہیں۔

قرآن اور اکابر کا رمضان

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

وکیع بن جراحؒ المتوفی ۱۹۷ھ

جرح وتعدیل کے مشہور عالم حضرت وکیع بن جراحؒ روزانہ رات کو ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے۔﴿الفوائد البھیمة ص ۲۲۲﴾۔

سراج الامۃ امام ابوحنیفہؒ کا رمضان اور قرآن

امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے۔﴿سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۹﴾۔

اور جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ اکسٹھ قرآن کریم ختم فرماتے تھے ایک دن کے وقت اور ایک رات کے وقت اور ایک تراویح میں ﴿الخیرات الحسان ص ۱۱﴾۔

آپ نے اپنی زندگی میں سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیے تھے۔﴿سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۴۰۰﴾۔

امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ

حضرت رمضان میں ۶۱ قرآن پاک مکمل کرتے۔ایک دن کو ایک رات کو اور ایک تراویح میں ۔﴿فضائل قرآن ص ۴۴﴾۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت نے اپنے سفر حج میں جب ساتھیوں نے جہاز میں قرآن کریم تراویح میں سننے کا تقاضا کیا اور اتفاق سے پورے جہاز میں کوئی حافظ قرآن نہ تھا تو حضرت نانوتویؒ ہر روز ایک پارہ یاد کر کے رات کو تراویح میں سنانا شروع کیا اس طرح آپ نے پورا قرآن پاک صرف ایک ماہ میں مکمل کرلیا۔﴿ملخص سوانح قاسمی﴾۔

اس کے بعد رمضان میں بہت کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے ایک بار ایک رکعت میں ستائیس پارے پڑھے۔اگر کوئی اقتداء کرتا تو رکعت پوری کر کے سلام پھیر کر اس کو روک دیتے اور تمام رات اکیلے پڑھتے ۔﴿سوانح قاسمی﴾۔

معمولاتِ قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ

آپ بیتی نمبر چھ لکھتے وقت جب مجاہدات کے ذیل میں اعلیٰ حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے معمولات رمضان

لکھوائے گئے تو خیال ہوا کہ مضمون بالا کی مناسبت سے یہاں بھی نقل کرادیا جائے۔آپ بیتی نمبر۶ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مجاہدات میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ریاضت ومجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے۔چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جبکہ آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہوگئے تھے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر روزہ اور بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت صلوۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے۔جس میں تخمینا دو پارے قرآن مجید سے کم کی تلاوت نہ ہوتی تھی، پھر اس کے ساتھ رکوع سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہوتا۔نماز سے فارغ ہوکر مکان تک جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھیرنے کی مدت میں کئی پارے کلام مجید ختم کرتے تھے۔پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوۃ التراویح جس میں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم خرچ نہ ہوتا تھا۔تراویح سے فارغ ہوکر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ضرور ہی اٹھ کھڑے ہوتے تھے، بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک ہی بجے آپ کو وضو کرتے ہوئے پایا، اس وقت اٹھ کر ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی، بعض مرتبہ سحر کھانے کے لیے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو نماز ہی میں مشغول پایا۔صلوۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف اور اوراد اور مراقبہ وملاحظہ میں مصروفیت رہتی پھر اشراق پڑھتے اور چند ساعت استراحت فرماتے۔اتنے میں ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہوکر قیلولہ فرماتے تھے، ظہر کے بعد حجرہ شریف بند ہوجاتا اور تا عصر کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

باوجود یہ کہ اس رمضان میں جس کا مجاہدہ لکھا گیا ہے پیرانہ سالی ونقاہٹ کے ساتھ وجع الورک کی تکلیف شدت کا یہ عالم تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک تشریف لانے میں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی۔اس حالت پر فرائض نوافل بھی کبھی بیٹھ کر نہیں پڑھی اور ان میں گھنٹوں کھڑا رہنا، بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھ کر ادا فرماویں تو مناسب ہے، مگر جب آپ کا جواب تو یہی تھا کہ ''نہیں جی یہ تو کم ہمتی کی بات ہے''۔اللہ رے ہمت آخر ''افلا اکون عبدا شکورا'' کے قائل کی نیابت کوئی سہل نہ تھی جو اس ہمت کے بغیر حاصل ہوجاتی۔یوں تو ماہ رمضان المبارک میں آپ کی ہر عبادت میں بڑھوتری ہوجاتی تھی مگر تلاوت کلام اللہ کا شغل خصوصیت کے ساتھ اس درجہ بڑھتا تھا کہ مکان تک آنے جانے میں کوئی بات نہ فرماتے تھے۔نمازوں میں اور نمازوں کے بعد تخمینا نصف ختم قرآن مجید آپ کا یومیہ معمول قرار پایا تھا۔جس شب کو صبح کو پہلا روزہ ہوتا آپ حضار جلسہ سے فرمادیا کرتے تھے کہ ''آج سے کچہری برخواست۔رمضان کو بھی آدمی ضائع کرے تو افسوس کی بات ہے''۔اس مجاہدہ پر غذا کی یہ حالت تھی کہ کامل رمضان بھر کی خوراک پانچ سیر اناج تک پہونچنی دشوار تھی۔

''تذکرۃ الرشید'' میں دوسری جگہ ماہ مبارک کے معمولات میں حکیم اسحاق صاحب نہوڑی خلیفہ حضرت امام ربانی کی ایک تحریر لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

رمضان شریف میں صبح کو خلوت خانہ سے دیر میں برآمد ہوتے۔موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے، نوافل اور قرأت قرآن وسکوت ومراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی، سونا اور استراحت نہایت قلیل، کلام بہت کم کرتے بعد نماز مغرب ذرا دیر خلوت نشینی کا ذائقہ لے کر کھانا تناول فرماتے۔تراویح کی بیس رکعت اوائل میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحبزادہ مولوی حافظ حکیم محمد مسعود احمد

صاحب کے پیچھے پڑھتے۔ بعد وتر دو رکعت طویل کھڑے ہو کر پڑھتے، دیر تک متوجہ بقبلہ بیٹھ کر پڑھتے رہتے۔ پھر ایک سجدہ تلاوت کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ بندہ نے بعض الفاظ سن کر اندازہ کیا ہے کہ اس درمیان میں سورہ تبارک الذی اور سورہ سجدہ اور سورہ دخان پڑھتے تھے۔ اکثر تمام عشرۃ ذی الحجہ اور عاشورا اور نصف شعبان کا روزہ رکھتے۔ (بشکریہ دوماہی راہ سنت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے اہلسنت کے ترجمہ پر اعتراض کا جواب

محسن اقبال بھائی

ترجمہ۔ اور کبھی چلا تو اُن کی پسند پر بعد اُس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا نہ مددگار۔ (شاہ عبد القادر)

—— اور اگر پیروی کرے گا۔ تو خواہشوں ان کی پیچھے اس چیز سے کہ آئی تیرے پاس علم سے نہیں واسطے تیرے اللہ سے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ (شاہ رفیع الدین)

—— اگر پیروی کردی آرزوہائے باطل ایشان را پس آنچہ آمدہ است بتو از دانش نہ باشد ترا برائے خلاص از عذاب خدا ہیچ دوستی و نہ یارے دہند۔ (شاہ ولی اللہ)

—— اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے اُن کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لیے اللہ کی گرفت کے مقابلے میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ (عبد الماجد دریا بادی دیوبندی)

—— اور اے پیغمبر اگر تم اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم یعنی قرآن آچکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے تو پھر تم کو خدا کے غضب سے بچانے والا نہ کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ (ڈپٹی نذیر احمد دیوبندی و فتح محمد جالندھری)

—— اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات کا علم قطعی ثابت بالوحی آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار۔ (تھانوی دیوبندی)

—— اور (اے سُننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اُس وقت تو ضرور ستم گار ہوگا۔ (اعلیٰ حضرت)

ترجمہ تفسیر خازن کی روشنی میں

نبی معصوم جن کی نسبت سے قرآنی صفحات بھرے ہیں۔ جن کو طٰہٰ، یٰس، مُزَّمِّل، مُدَّثِّر جیسے القاب و آداب دیئے گئے، اچانک اِس قدر زجر و توبیخ کے کلمات سے اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کرے، سیاق و سباق سے بھی کسی تہدید کا پتہ نہیں چلتا۔ لہٰذا مترجم کو چاہیئے کہ کھوج لگائے نہ یہ کہ براہِ راست کلمات کا ترجمہ کر دے۔ جو بات اُن کی عصمت کے خلاف ہے وُہ کیسے امکانی طور پر اُن کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے اس کی تحقیق فرمائی اور تفسیر خازن کی روشنی میں اُنھوں نے ترجمہ فرمایا کہ مخاطب ہر سامع ہے نہ کہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اسی طرح کتبِ معانی و بیان میں بھی اِس بات کی تصریح ہے۔

تراجم مذکورہ میں بعض مترجمین نے خاصی حاشیہ آرائی کی ہے۔ مگر کسی مترجم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وُہ غور کرے کہ ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ حضور کی شان میں کیوں کہے جا رہے ہیں جب کوئی وجہ نہیں تو مخاطبیت اللہ کے محبوب سے خاص نہیں بلکہ ہر سُننے والے سے خطاب ہے۔

جناب رضا المصطفی اعظمی نے جناب احمد رضا خان بریلوی کے ترجمے کو ستی شہرت دلانے کے واسطے چند نامعقول اعتراضات حضرات آئمہ اہلسنت دیوبند کے ترجموں پر گڑھ دئے ہیں کہ ایک طرف تو اس کے ذریعے سے بلاوجہ حضرات دیوبند کو بدنام کرے اور دوسرا کہ ہمارے مذہب کی تبلیغ بھی ہوتی رہے اور گیارہویں، تیجہ شریف اور دیگر ممنوعہ اور غیر ثابت شدہ کام کے کرنے کروانے والے بڑھے اور اس طرح ہمارا پیٹ گیارہویں وغیرہ کے نیازوں سے بھرا رہے۔ہم ذیل میں اوپر کئے گئے اعتراض کا جواب درج کر رہے ہیں اور فیصلہ حضرات قارئین پر ہے کہ وہ خود سچ اور جھوٹ، حق اور باطل میں تفریق کرلیں۔

مولانا صاحب تفسیر خازن کا حوالہ دے کر فرما رہے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہم ذیل میں تفسیر خازن سے ہی حوالہ پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ یہ خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔اب اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی پاک ایسا کرسکتے ہیں تو اس کا جواب بھی آخر میں مذکور ہیں۔لہٰذا سمجھنے کے لئے مضمون کو شروع تا آخر پڑھ لیں۔

خود تفسیر خازن میں ہے ﴿هذا خطاب للنبی صلی الله علیه وسلم والمراد به الامة لأنه ﷺ لا یتبع اهواء هم أبداً. وقیل: هو خطاب له خاصة فیکون ذلک علی سبیل التذکیر والتنبیه﴾ ترجمہ: ''اس آیت میں خطاب نبی ﷺ سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خطاب میں مراد امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی انکی اتباع نہیں کرسکتے اور کہا گیا کہ یہ خطاب خاص تذکیر و تنبیہ کے لئے ہے'' یہاں پر خود صاحب تفسیر نے فرمایا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب سے مراد'' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کیا گیا ہے لیکن در پردہ اس سے مراد امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ انبیاء کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ کا امت پر زجر و توبیخ فرماتے ہوئے مقصود یہ ہے کہ حق آجانے کے بعد انکی اتباع اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر دلائل سے قطع نظر اور بالفرض اگر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کو انتہائی محبوب ہیں وہ بھی ان باطلوں کی اتباع کرے تو وہ بھی ظالموں میں شمار ہوں پھر تم عام امت کیا معنی رکھتے ہو؟'' لیکن چونکہ دلائل سے یہ بات مسلم ہے انبیاء معصوم ہیں لہٰذا انبیاء اور خود آنحضرت ﷺ یہ کام نہیں کرسکتے۔کسی بھی مفسر نے یہاں یہ نہیں کہا کہ یہاں خطاب براہ راست امّت سے ہے بلکہ سب نے یہی کہا یہاں پر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکن اس سے مراد ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اس سے مراد امّت ہے اور یہی آئمہ دیوبند نے بھی اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے۔چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

''یہ خطاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فرض محال کے ہے جس کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں، اور دراصل سنانا امت محمد یہ کو ہے کہ اس کی خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بالفرض ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں''

(تفسیر معارف القرآن جلد اصفحہ ۳۸۵)

اب ہمارے آئمہ کا ترجمہ تو اہل تفاسیر کی تفسیروں کے مطابق ہے کہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس میں مراد امت محمد یہ ﷺ ہے۔ آئمہ دیوبند نے یہاں ترجمہ میں خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جبکہ حاشیہ اور تفاسیر

میں اس کی تصریح فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔اب جناب رضاء المصطفےٰ صاحب مفتی احمد یارخان گجراتی کی بھی خبر لیں کہ وہ اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ

''معلوم ہوا کہ عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے زیادہ خطرناک ہے اور عالم کا جہلاء کی خوشامد کرنا تباہی کا باعث ہے کیونکہ یہاں علم کی قید لگائی گئی علم بڑی چیز ہے'' (تفسیر نورالعرفان مع ترجمہ کنزالایمان صفحہ ۳۴ از مولوی احمد یارخان گجراتی نعیمی)

یہاں پر عالم سے کون مراد ہے؟اور کیا کسی بھی آئمہ تفسیر نے اس آیت کی یہ تفسیر پیش کی؟

اب ہم ذیل میں چند مزید حوالے سے مفسرین کا اس بات پر اتفاق ثابت کرتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب براہ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس سے مراد امت محمدیہ ہے نہ کہ یہ خطاب براہ راست امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ خانصاب بریلوی، مولوی نعیم مرادآبادی اور مولوی رضاء المصطفےٰ قادری نے کہا، لکھا اور پھر جن دیوبندی آئمہ رحمہ اللہ نے یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ان پر اعتراض کیا۔

۱...... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی معرکتہ الآراء تفسیر جو بالاتفاق مفسرین و مسلمین مستند ترین تفاسیر میں سے ایک ہے اور بریلویوں کے پیر کرم علی شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

﴿ولهذا قال مخاطبا للرسول : والمراد به الأمة﴾ ترجمہ:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خطاب سے مراد امت ہے''

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۰ طبع دار ابن حزم)

۲...... علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراهیم السمر قندی الحنفی رحمہ اللہ اپنی تفسیر بحرالعلوم میں اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

﴿[ولئن اتبعت أهوائهم] هذا الخطاب للنبي . صلى الله عليه وسلم . والمراد[منه] امته﴾ یعنی آیت ولئن اتبعت أهوائهم میں خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جس میں مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

(تفسیر بحرالعلوم جلد اوّل صفحہ ۱۶۵ طبع دارا کتب العلمیۃ بیروت۔لبنان)

۳...... علامہ محدث ابوعبداللہ محمد بن احمد ابوبکر القرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿[ولئن اتبعت أهوائهم من بعد ما جاء ک من العلم انک اذا لمن الظالمين]الخطاب للنبي صلى الله عليه وسلم، والمراد امته﴾

ترجمہ: آیت[ولئن اتبعت أهوائهم من بعد ما جاء ک من العلم انک اذا لمن الظالمين] میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس میں مراد امت ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مع تحقیقِ هشام سمیر البخاری)

۴...... علامہ ابو محمد حسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں

﴿[ولئن اتبعت أهوائهم] مرادهم الخطاب مع النبي صلى الله عليه وسلم ولمراد به الامة﴾

ترجمہ: آیت[ولئن اتبعت أهوائهم] میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور اس سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

(تفسیر معالم التنزیل طبع دارطیبۃ ریاض جلد۱صفحہ۱۶۳تا۱۶۴)

اب ہم جناب رضاء المصطفی قادری صاحب اور تمام رضا خانیوں سے سوال کرتے ہیں؟ کیا ان تمام مفسرین نے بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی ہے؟ کیا یہ سب باطل ہیں؟ کیا سب مفسرین نے بالاتفاق معاذ اللہ یہ ٹھان لیا تھا کہ ہم یہ خطاب جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اُس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر مراد امت محمدیہ کر دیں۔ کیا قرآن کی نحو سے بھی کہیں ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب امت سے ہے؟ یا یہاں بھی آپ یہی کہو گے یہ جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی نے تفسیری ترجمہ کیا ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ جب ترجمہ تفسیری تھا تو پھر مولوی احمد یار خان اور مولوی نعیم مراد آبادی کو اس پر تفسیری حاشیے لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ ہم آپ حضرات سے انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جو فتوے آپ نے اس بناہ پر آئمہ دیوبند رحمہ اللہ پر لگائے ہیں یہی تمام فتوے صاحب تفسیر خازن، حافظ ابن کثیر، علامہ ابواللیث سمرقندی، علامہ قرطبی اور علامہ بغوی رحمہم اللہ علیہم پر بھی لگائے اور ہم کو بتلائیں کہ کیا یہ تمام بھی کیا گستاخ رسول تھے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیس رکعات تراویح ہی سنت موکدہ اسی پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے

ساجد خان نقشبندی (متعلم درجہ خامسہ)

محترم جنید بھائی نے غیر مقلدین کی طرف سے شائع کردہ ایک پمفلٹ دکھایا اور جواب کی استدعا کی۔ ہم اس مضمون میں اسی پمفلٹ کا جواب دیں گے۔ طریقہ کار یہ ہوگا کہ اول اپنے موقف کو ثابت کریں گے اور پھر انشاء اللہ اس پمفلٹ کا جواب آپ حضرات کے سامنے پیش کریں گے۔

بیس رکعات تراویح کے دلائل:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ ﴿مصنف ابن ابی شیبہ، ج۲،ص۱۶۶﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعات تراویح اور (اس کے بعد) وتر پڑھتے تھے۔

(۲) حدثنا وکیع عن مالک عن یحی بن سعید ان عمر الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ .﴿مصنف ابن ابی شیبہ، ج۳،ص ۲۸۵﴾

حضرت عمرؓ نے ایک آدمی (حضرت ابی بن کعبؓ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

(۳) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بیس رکعات تراویح کے ساتھ قیام فرماتے تھے (قراء حضرات) سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں شدت کی وجہ سے لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔ (السنن الکبری، ص ۴۹۶، ج ۲)

(۴) حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں اور ان کو وتر حضرت علیؓ خود پڑھاتے تھے۔ (ایضا، ج ۲، ص ۴۹۶)۔

حضرات خلفائے راشدین کا عمل بھی سنت اور حجت ہے:

قارئین کرام یہ بات یاد رکھیں کہ حضور ﷺ سے پورے رمضان میں تراویح پڑھنا یا رکعات کی کوئی تعداد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں اسی پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوا اور یہی اب تمام امت مسلمہ

کا چودہ سو سال سے معمول بہ عمل ہے۔افسوس کہ غیر مقلدین حضرات شیعہ کی پیروی کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام کو معیار تسلیم نہیں کرتے لیکن خود نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ صحابہ کرام کا عمل بھی سنت میں داخل ہے۔

(۱) حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فانہ من یعیش منکم بعدی فیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.

(ترمذی، ج ۲،ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداود، ج ۲، ص ۲۷۹)

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو اور اپنی داڑھوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث سے صراحتا معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کا عمل بھی سنت رسول ﷺ ہے اور اس پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے خلفائے راشدین سے بیس رکعات تراویح ثابت ہے لہٰذا آج بیس رکعات تراویح پڑھنے والے سنت پر چلنے والے اور آٹھ رکعات کے قائلین بدعتی گمراہ ہیں۔

(۲) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

جلد النبی ﷺ اربعین و ابو بکر اربعین و عمرؓ ثمانین و کل سنة (مسلم ج ۲، ص ۷۲)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے دونوں سنت ہیں۔

اب بتاؤ کی آج کوئی شرابی کو چالیس کوڑے مارتا ہے۔۔؟؟؟اور کیا اسی (۸۰) کوڑے مارنے والوں کو بدعتی کہا جاتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو بیس رکعات تراویح والے بدعتی کیوں؟ حضرت عمرؓ چالیس کوڑوں کی جگہ اسی کوڑے ماریں تو سنت ۸ کی جگہ ۲۰ رکعات تراویح پڑھائیں تو بدعت کیوں۔۔؟؟ جواب دیں۔

بیس رکعات تروایح اجماعی مسئلہ ہے:

روی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة و عن علی انه امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة و هذا کالاجماع۔ (المغنی لابن قدامہ، ص ۸۳۴، ج ۱)

امام مالک نے یزید بن رومان سے حدیث نقل کی ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور حضرت علی سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا یہ اجماع کی طرح ہے۔

اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة (مرقاۃ المفاتیح، ج ۳، ص ۳۷۲)

صحابہ کا اس بات پر اجماع ہوا کہ تروایح بیس رکعات ہے۔

ان حوالہ جات سے صاف ثابت ہوا کہ بیس رکعات تراویح پر تمام صحابہ کرام اور بعد کی امت، آئمہ کرام کا اجماع ہے اب ہم فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس اجماع کا ساتھ دیتے ہیں یا انگریز کے دور میں پیدا ہونے والے اس مٹھی بھر گروہ کا۔ پسند اپنی اپنی امام اپنا اپنا۔

ہمارا مطالبہ

غیر مقلدین کوئی ایک مستند حوالہ پیش کر دیں کہ چودہ سو سال میں کسی وقت تمام امت کا اجماع ۸ رکعات یا صحابہ کا اجماع آٹھ رکعات پر ہو گیا تھا۔ ہم اپنا موقف چھوڑے کیلئے تیار ہیں۔۔فهل من مبارز۔

حرمین شریفین میں بھی بیس رکعات تراویح ہی پڑھائی جاتی ہیں

قارئین کوئی بھی شخص آج مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ جا کر دیکھ سکتا ہے کہ وہاں بھی آج بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا آئمہ حرمین بدعتی گمراہ ہیں۔۔؟؟ اگر ہاں تو تم میں اور بریلویوں میں کیا فرق وہ بھی تو ان کو وہابی مشرک کا فرمانتے ہیں۔۔ اگر نہیں تو کیوں کیا اس لئے کہ اگر ان کو بدعتی کہہ دیا تو ''ریال'' بند ہو جائیں گے؟؟؟۔۔ کیا تم کو سارا فساد پاکستان میں نظر آتا ہے۔۔ جو رمضان سے پہلے ہی اس قسم کے پمفلٹ تقسیم کرنا شروع کر دئے۔۔ جواب دو اب تک کتنے فتوے تم نے سعودی عرب میں وہاں کے آئمہ پر لگائے ۔۔؟؟ یہ دوغلا پن کیوں۔۔ جواب دو۔۔ مالکم لاتنطقون۔

غیر مقلدوں کے پیشوا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

بیس رکعات تراویح پر انصار و مہاجرین کا اجماع ہے اور یہی سنت ہے

قد ثبت ان ابی ابن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان و یوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالک هو السنة لانه اقامه بین المهاجرین و الانصار و لم ینکر ہ منکر۔

﴿مجموع فتاوی ابن تیمیہ، ج ۲۳، ص ۱۲۲﴾

تحقیق کہ بلاشبہ حضرت ابی بن کعبؓ نے رمضان کے مہینے میں صحابہ کرام کو بیس رکعات تراویح اور (اس کے بعد) تین رکعات وتر پڑھائیں اسی وجہ سے جمہور امت کا مسلک یہی ہے کہ یہ سنت ہے اس لئے کہ یہ فعل مہاجرین وانصار کے سامنے کیا گیا اور کسی نے کوئی نکیر نہیں کی۔

مہاجرین وانصار کا مقام

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

رَضُوْا عَنْہُ ' (پ ١١، توبہ، ع٢) اور جو لوگ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں اور جو مدد مرنے والے ہیں جو ان کی پیروی کرنے والے ہیں نیکی کے ساتھ اللہ ان سب سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجرین وانصار کی پیروی کرنے والوں سے اللہ راضی ہے ہم نے ان کی پیروی کی لہٰذا بیس رکعات پڑھنے والوں سے اللہ راضی جو آج آٹھ (٨) رکعات تراویح پڑھتا ہے وہ مہاجرین وانصار کا مخالف اللہ اس سے ناخوش ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتی و سبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی (ترمذی ج٢ص٨٩، مستدرک، ج١ص١٢٩)

بلاشبہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ چکے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب فرقے دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ لوگوں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہوگا فرمایا وہ فرقہ جس نے وہ کام کئے جو میں نے اور میرے صحابہ نے کئے ہیں۔

صحابہ نے بیس رکعات پڑھی ہم بھی پڑھتے ہیں لہٰذا جنتی اور ناجی فرقہ ہم ہی ہیں غیر مقلدین صحابہ کرام کی مخالفت میں آٹھ رکعات پڑھتے ہیں لہٰذا یہ باطل فرقہ ناری اور جہنمی فرقہ ہوگا۔ ناراض نہ ہوں میں نہیں کہتا نبی علیہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں۔

صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے

ان اهل السنة والجماعة متفقون علی ان اجماع الصحابة حجة (فتح الباری، ج٣، ص٢٦٦) اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے۔

غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

صحابہ کرام کا اجماع واجب الاتباع ہے بلکہ صحابہ کرام کا اجماع قوی تر حجت ہے اور دوسری (غیر منصوص) حجتوں پر مقدم۔ (اقامة الدلیل، ج٣، ص١٣٠)

صحابہ کرام کے اجماع کے حجت ہونے کیلئے مندرجہ ذیل حوالوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

منہاج السنة ج١ص٢٥٦، اعلام الموقعین، ج١ص٦٧ بدائع الفوائد، ج٤ص٧٧، طبقات سبکی، ج١ص٢٦٢ وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "**اقول الفرقة الناجیة هم الاخذون فی العقیدة والعمل جمیعا بما ظهر من الکتاب والسنة و جری علیه الجمهور الصحابة والتابعین الی ان قال و غیر الناجیة کل فرقة انتحلت عقیدة خلاف عقیدة السلف او عملا دون اعمالهم** (حجة اللہ بالغہ، ج١، ص١٧٠) میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب وسنت کی اور جس پر جمہور صحابہ کرام وتابعین کاربند تھے پیروی کرے (آگے فرماتے ہیں کہ) اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف کے عقیدے کے خلاف کوئی اور عقیدہ یا ان کے عمل کے علاوہ کوئی اور عمل اختیار کیا۔

غیر مقلدین اس عبارت کی روشنی میں مرنے کے بعد خود ہی اپنا مقام متعین کرلیں۔عمدۃ المفسرین حضرت حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل و قول لم يثبت عن الصحابة رضى الله تعالى عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه انهملم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها (تفسیر ابن کثیر ،ج ۴،ص ۱۵۶) اہل السنّت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو قول اور فعل نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ کام اچھا ہوتا تو ضرور حضرات صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کو کرتے اس لئے کہ انھوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خصلت کو تشنہ عمل نہیں چھوڑا بلکہ ہر کام میں گویا سبقت لے گئے۔

آٹھ رکعات تراویح صحابہ کرام نے نہیں پڑھی نہ یہ ان کا فعل تھا لہٰذا آج جو لوگ آٹھ رکعات پڑھتے ہیں وہ بدعتی ہیں۔

اس مختصر مضمون میں ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا ہے اس مسئلہ کی مزید تفصیل کیلئے آپ مطولات کا مطالعہ کریں۔اب ہم اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے غیر مقلدین کے پمفلٹ کا جواب نقل کرتے ہیں۔

پمفلٹ کا عنوان:

آٹھ رکعات تراویح اور ''غیر اہلحدیث'' علماء

جواب: موصوف ''نامعلوم مولف'' نے اپنے پمفلٹ میں بیس رکعات تراویح پڑھنے والوں کو ''غیر اہلحدیث'' علماء کہا ہمارا سوال ہے کہ کس بنیاد پر؟ اگر تو آپ اس وجہ سے ''اہلحدیث'' اور ہم ''غیر اہلحدیث'' کہ آپ تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں تو یہ ناممکن اس لئے کہ بہت سی احادیث منسوخ ہیں اسی طرح بہت سی احادیث نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے چار سے زائد شادیاں کرنا وغیرہ وغیرہ۔۔اور اگر بعض احادیث پر عمل کرنے کی وجہ سے آپ خود کو ''اہلحدیث'' کہہ رہے ہیں تو پھر تو سب مخلوق کو کہو کہ ان کا بھی کسی نہ کسی حدیث پر عمل ہوتا ہی ہے تو آج ہم کیوں ''غیر اہلحدیث'' جو سینکڑوں احادیث رسول ﷺ پر عمل کرنے والے ہیں۔۔جواب دیں۔۔؟؟؟

سنبھل کر چھیڑنا اے طفل دل زلف پریشان کو
لپٹ جاتی ہے یہ عشاق سے کالی بلا ہو کر

پمفلٹ: گیارہ رکعات قیام رمضان (تراویح) سنت ہے۔

جواب: جناب آپ کے اصول کے تحت اسے سنت کہنا درست نہیں اس لئے کہ صحیح بخاری ج ا ص ۲۶۸ کی حدیث میں تو ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائیں اور اس کے بعد ان کی وفات تک دوبارہ جماعت نہ ہوئی تو آج آپ پورا رمضان آٹھ

تراویح کو سنت کہہ رہے ہیں کس حدیث کی بنیاد پر جواب دیں۔۔۔؟؟ اگر نبی ﷺ کا فعل سنت ہے تو کسی فعل کو ترک کرنا بھی سنت ہے بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین راتیں تراویح پڑھائیں پھر چھوڑ دیں تو معلوم ہوا کہ تراویح نہ پڑھنا سنت ہے تو آپ کس بنیاد پر اس کو پورا رمضان آٹھ رکعات سنت کہہ رہے ہیں۔۔؟؟ جواب دیں۔اسی طرح سنن ابی داود باب فی قیام شھر رمضان ج ا ص ۲۰۲ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نماز رمضان کے آخری عشرے میں پڑھائی تو آپ کس اصول کے تحت پورے ماہ تراویح پڑھنے کو سنت کہہ رہے ہیں؟؟؟ جواب دیں۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر (کی اذان) تک (عام طور پر) گیارہ رکعات پڑھتے تھے آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔دیکھئے صحیح مسلم، ج ا ص ۲۵۴۔

جواب:

(۱) یہ روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور انہی سے صحیح بخاری میں تراویح کی (جو ہمارے نزدیک اصل تہجد کی ہے) نماز چار رکعات ایک سلام کے ساتھ اور تین وتر کی منقول ہیں دونوں احادیث باہم متعارض ہوگئیں لہذا استدلال ساقط ہوا۔اذا تعارضا تساقطا۔

(۲) ویسے تو آپ حنفیوں پر چیختے ہیں کہ بخاری کی حدیث لاؤ بخاری کی حدیث لاؤ اور آج آپ اپنا مسلک ثابت کرنے کیلئے بخاری کو چھوڑ کر مسلم کی طرف چلے گئے بھائی بخاری کی حدیث میں چار رکعات کا ذکر ہے اور تین وتر کا اس پر عمل کرو۔۔اس لئے کہ

سچے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

(۳) مسلم کی اس حدیث میں سرے سے تراویح کا ذکر ہی نہیں لہذا موضوع سے ہی خارج، یہاں اماں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ''تہجد'' کی نماز کا ذکر کر رہی ہیں اس کا کون منکر ہے۔۔؟؟۔

(۴) جناب اس حدیث پر تو خود آپ کا بھی عمل نہیں اس لئے کہ خود ترجمہ کیا ہے کہ ''فجر کی اذان تک'' یہ نماز جس کو آپ تراویح کہہ رہے ہیں آپ ﷺ پڑھتے تھے، جبکہ آج آپ لوگ عشاء کی نماز کے فوراً بعد آٹھ رکعات پڑھ کر نیند کے مزے لیتے ہو صحیح سنت کے مطابق تو حدیث پر آپ کا بھی عمل نہیں تو ہم سے گلہ کس بات کا۔۔؟؟۔

(۵) اس حدیث میں کہیں بھی جماعت کا ذکر نہیں بلکہ حضور ﷺ کا انفرادی عمل ذکر کیا جا رہا ہے تو آج آپ تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھ کر خلاف سنت کیوں کرتے ہیں۔۔؟؟؟

(۶) حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تراویح (بقول آپ کے) پڑھنے کے بعد وتر بھی اکیلے ہی پڑھتے جبکہ آپ لوگ اس کو جماعت سے پڑھتے ہو کیوں۔۔؟؟ حدیث تو آپ کے بھی مخالف ہے۔

حیرت ہے کہ خود آپ پوری حدیث پر عمل پیرا نہیں اور گلہ ہم سے کرتے ہیں پہلے خود اس حدیث پر مکمل طور پر عمل کریں پھر ہم سے مطالبہ کرنا۔

دیگراں رانصیحت خود میاں فضیحت

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے رمضان میں (صحابہ کرامؓ کو جماعت سے) آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸ و صحیح ابن حبان وغیرہ۔

جواب: اس حدیث کا مدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہے اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں اس کی روایات منکر ہیں امام نسائی فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے اور اس سے متروک روایات بیان ہوئی ہیں (میزان ج ۳ ص ۳۱۱) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں ابن معین اور ابوداود نے اس کو ضعیف کہا ہے (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۲)۔ اس کے علاوہ اس کی سند میں یعقوب بن عبداللہ الاشعری القمی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ قوی راوی نہیں کمزور ہے (میزان الاعتدال، ج ۴ ص ۴۵۲)۔

اگر حنفی کسی ضعیف حدیث سے استدلال کرلے تو آسمان سر پر اٹھا لو اور خود ایسی کچی باتیں کرتے ہو۔

ٹھوکریں مت کھائے چلئے سنبھل کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

بالفرض حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے کہ تراویح آٹھ سنت ہیں اور زائد بدعت تو سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۴ میں روایت ہے کہ رمضان میں آپ ﷺ نے صرف تین راتیں باجماعت صحابہ کو نماز پڑھائی، ۲۳، ۲۴، ۲۵، تو پھر آپ کیوں باقی چھبیس یا ستائیس دن خلاف سنت کرتے ہو اگر ہم بارہ (۱۲) سے بدعتی ہوئے تو تم ۲۷ کے عدد سے بدعتی ہوئے۔

اے چشم اشکبار زرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا ہی نہ ہو

اعتراض: سیدنا امیر المومنینؓ نے (نماز پڑھانے والوں) سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں نماز عشاء کے بعد) گیارہ رکعات پڑھائیں۔ دیکھئے موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۱۴۔ السنن الکبرای ج ۳ ص ۱۱۳۔ حدیث پر اعتراض نہ کرنا علامہ نیموی حنفی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے دیکھئے آثار السنن۔

جواب: اگر محدث نیموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''آثار السنن'' میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حدیث کا متن بھی بالکل درست ہے۔۔۔؟؟ آپ خود کو ''اہلحدیث'' کہتے ہیں کیا محدثین کا یہ اصول یاد نہیں کہ سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو لازم نہیں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کے راوی ثقہ ہیں مگر حدیث موضوع انشاء اللہ مطالبے پر ثبوت بھی پیش

کردیئے جائیں گے۔

(۱) اس حدیث سے استدلال درست نہیں اس لئے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے اور مضطرب حدیث حجت نہیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ گیارہ رکعات پڑھائیں گویا آٹھ رکعات تراویح اور تین وتر کل گیارہ ہوئیں تو آپ آج ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہیں۔۔ بھائی ان حدیثوں پر پہلے خود تو عمل کرلو پھر ہمیں کہنا۔

(۳) آپ کے پیشوا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ہم نے نقل کیا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ نے بیس رکعات پڑھائیں اسی پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔۔اب اس فتوے کو درست مان کر حدیث کا انکار کرو اس لئے کہ اگر حدیث کا راوی خود حدیث کے خلاف عمل کرے تو وہ حدیث حجت نہیں۔۔یا پھر اپنے پیشوا پر فتوی لگاؤ کہ انھوں نے جھوٹ بولا۔۔دونوں میں سے جس قول بھی آپ پسند فرمائیں ہماری طرف سے اس پر آمین ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ گیارہ رکعات حضرت عمرؓ نے ابی ابن کعبؓ کو پڑھانے کا فرمایا ہوا اور باقی بارہ کسی اور نے پڑھائی ہوں اسی طرح تمیم داریؓ کے متعلق سمجھ لو۔جس طرح آج مکہ مکرمہ میں دس رکعات ایک امام پڑھاتے ہیں اور دس دوسرے امام۔تو جب احتمال آ گیا استدلال باطل ہوا۔**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔**

(۵) علامہ ابن عبدالبر اندلسی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ **الاغلب عندی فی احدی عشرۃ رکعۃ الوھم** (الاستذکار، کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی قیام رمضان، ج ۲، ص ۶۹، دار الاحیاء التراث بیروت)

اغلب یہی ہے کہ اس حدیث میں راوی کو گیارہ رکعات کے نقل کرنے میں وہم ہوا ہے۔حیرت ہے "اہلحدیث" ہو کر ایسی وہمی روایات سے استدلال؟؟؟۔

(۶) موطا میں تراویح کے متعلق مختلف روایات ہیں گیارہ، تیرہ، اکیس، تیئس، اور قاعدہ ہے کہ **العدد الاقل لا ینافی العدد الاکثر** عدد اقل سے عدد اکثر کی نفی نہیں ہوتی اور احتیاط عدد اکثر میں ہے تیئس رکعات میں گیارہ رکعات موجود ہیں مگر گیارہ رکعات میں تیئس (۲۳) رکعات نہیں لہٰذا احتیاط پر عمل کرتے ہوئے تیئس والی روایات کو اختیار کریں گے بیس تراویح کی تین وتر کی۔

اس کے اور بھی بہت سے جوابات ہیں لیکن فی الحال اتنے ہی کافی ہیں۔

اعتراض: صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے۔(یعنی آٹھ رکعات پر۔۔از ناقل)

جواب: کاش کہ موصوف اس کا کوئی ثبوت بھی پیش کردیتے اور ان سلف و صالحین کے اسماء میں بھی نقل کردیتے جن کا عمل آٹھ رکعات پر رہا ہم نے الحمدللہ دلائل سے اس بات کو واضح کردیا کہ صحابہ کرام سلف صالحین آئمہ مجتہدین کا عمل بیس رکعات تراویح پر رہا ہے۔موصوف نے جھوٹ بولنے والوں کے متعلق قرآن کی یہ آیت تو پڑھی ہوگی کہ "**لعنۃ اللہ علی الکاذبین**" اس لئے اب جلد سے جلد مستند حوالوں کے ساتھ ان سلف صالحین کا ذکر کریں جنھوں نے آٹھ رکعات پڑھیں اور بارہ کو بدعت کہا ورنہ قرآنی فتوے سے مفر نہیں۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سوچنا پڑا
اب خودکشی کریں کہ حوالے لکھا کریں

اعتراض: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ (اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ نقل کیا جارہا ہے) اس سب کا حاصل یہ ہے کہ قیام رمضان (تراویح) گیارہ رکعات مع وتر جماعت کے ساتھ سنت ہے، اور باقی بارہ مستحب ہیں۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھیں ہیں ابن نجیم مصری نے بحرالرائق میں ابن ہمام کا قول نقل کیا ہے اور اس پر انکار نہیں کیا۔ ابن ہمام وغیرہ کا آٹھ کے بعد بارہ رکعت کو مستحب کہنا حنفیوں تقلیدیوں کے اس قول کے سراسر خلاف ہے کہ "بیس رکعات تراویح سنت موکدہ ہے اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں"۔

جواب: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بیس رکعات تراویح کا انکار نہیں کرتے البتہ وہ اس کو مستحب کہتے ہیں مگر یہ ان کا تفرد ہے جو ہم پر حجت نہیں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کا تفرد ہے ان کے علاوہ امت میں کوئی بھی جلیل القدر ہستی اس قول کی قائل نہیں ہے۔ (دیکھئے العرف الشذی ص ۳۰۹، وحاشیہ ہدایہ ج اص ۱۵۱)۔

ان کے ایسے بہت سے تفردات منقول ہیں جو نا قابل عمل اور غیر معتبر سمجھے جاتے ہیں جسکا اقرار خود غیر مقلدین کو بھی ہے چنانچہ آج کے زمانے کے معروف غیر مقلد عالم ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ:

علامہ ابن ہمام کو فقہ حنفی میں اجتہادی مقام حاصل تھا انھوں نے کئی مسائل میں اپنے ہم فکر علماء سے اختلاف کیا لیکن ان کے اختلاف کو خود علمائے احناف نے بنظر استحسان نہیں دیکھا۔۔۔ لہٰذا مذہب حنفی کے خلاف ان کا جو بھی قول ہوگا وہ مقبول نہیں ہوگا چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب باور کرلیا جائے (توضیح الکلام، ج۲، ص ۵۴۵)

اب غیر مقلدین خود ہی بتائیں کہ ان سے زیادہ اور ہم ان کی کیا تسلی کریں اگر ہماری نہیں مانتے تو کم سے کم اپنوں کی تو مان لو

کیا خوب کہ اپنا پردہ کھولے ۔۔۔۔۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

باقی رہا ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی کا کہ وہ ان کے اس قول کو بلا انکار نقل کرتے ہیں لہٰذا وہ بھی آٹھ کے سنیت کے قائل ہیں تو یہ موصوف کی غلط فہمی ہے اس لئے کہ علامہ ابن نجیم بیس رکعات کی سنیت ہونے پر اپنا مسلک اس طرح واضح کرتے ہیں کہ:

و سن رمضان عشرون رکعة و علیه عمل الناس شرقا و غربا (البحرالرائق، ج۲، ص۷۲) رمضان میں مسنون بیس رکعات (تراویح) ہیں اور اسی پر شرقاً و غرباً تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔ اسی طرح امام طحاوی بیس رکعات کو سنت کہتے ہیں:

وهی عشرون رکعة الحکمة فی تقدیرها بهذا العدد مساوات المکمل وهی سنن للمکمل وهی الفرائض الاعتقادیه و العملیه (حاشیہ طحاوی علی مراقی الفلاح، ص ۲۲۵) اور تراویح کی بیس رکعات ہیں اور تراویح کی بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ (جو بیس رکعات) سنن ہیں وہ مکمل جو فرائض اعتقادیہ و عملیہ کے برابر ہو جائیں۔

انھوں نے اگر علامہ ابن ہمام کا قول نقل کیا ہے تو محض ان کا تفرد بیان کرنے کیلئے بلکہ انھوں نے تو بیس رکعات کو سنت کہہ کر گویا اس قول پر رد کیا اللہ کرے کہ آپ کی سمجھ میں بات آ گئی ہو۔

اعتراض: دیوبندیوں کے منظور نظر محمد احسن نانوتوی فرماتے ہیں کہ لان النبی ﷺ لم یصلها عشرین بل ثمانیا۔ حاشیہ کنز الدقائق۔

جواب: کاش کے موصوف حضرت احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے تو ہمیں جواب دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی حضرتؒ اسی عبارت سے بالکل متصل لکھتے ہیں کہ: ولم یواظب علی ذالک و بین العذر فی ترک المواظبة علیها بالجماعة وهو خشیة ان تکتب علینا (حاشیہ کنز الدقائق، ص ۳۶) لیکن نبی ﷺ نے اس آٹھ رکعات پر مواظبت اختیار نہیں کی عذر اور خوف کی وجہ سے کہ کہیں یہ ہم پر فرض نہ کر دیجائے۔ گویا ان کے نزدیک آٹھ رکعات پڑھنا پورا ماہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور پھر آگے ہی مزید اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ولنا ماروی البیهقی باسنادصحیح انهم کانوا یقومون علی عهد عمرؓ بعشرین رکعة وکذا علی عهد علی وعثمانؓ فصار اجماعا۔ (اور بیس رکعات پڑھنا تراویح سنت موکدہ ہے) ہمارے اس قول کی دلیل بیہقی کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھی اور یہی صورتحال حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں رہی گویا بیس رکعات پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔

موصوف کو شرم آنی چاہئے کہ وہ دعوی تو کرتے ہیں کہ ''اب اس مضمون میں حنفی تقلیدی علماء کے حوالے پیش خدمت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی آٹھ رکعات تراویح سنت ہے''۔ اور حوالے نقل کرتے ہوئے اس طرح کی خیانتیں کرتے ہیں اور ما یرضی به قائله کے تحت اپنے مطلب کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس کی تردید یا وضاحت خود مصنف نے آگے کر دی اور اسی میں اپنا مسلک بھی بیان کر دیا۔۔ سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنا آخر اسلام کی کونسی خدمت ہے۔۔؟؟؟

اعتراض: دیوبندیوں کے منظور نظر عبدالشکور لکھنوی لکھتے ہیں کہ: اگرچہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعات تراویح مسنون ہے اور ایک ضعیف روایت میں ابن عباس سے بیس رکعات بھی۔ مگر۔۔۔۔ علم الفقہ

جواب: افسوس کے باوجود کوشش کے کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ کتاب ہمیں میسر نہ ہو سکی۔۔ مگر جو عبارت آپ نے دی ہے اس میں خود آپ کی خیانت واضح ہے کہ ''مگر'' سے آگے کی عبارت نقل نہیں کی یعنی جس عبارت میں حضرت عبدالشکور لکھنویؒ اپنا اصل موقف اور ماقبل عبارت کا صحیح مطلب واضح کرنا چاہ رہے تھے اسے آپ ہضم کر گئے۔۔ اور جہاں تک ابن عباسؓ کی حدیث کا ضعف ہے تو اسے تلقی بالقبول حاصل ہے اور جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اس کا ضعف کچھ نقصان دہ نہیں۔

اعتراض: دیوبندیوں کے منظور نظر عبدالحی لکھنویؒ بھی آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

جواب: آپ کا یہ کہنا بھی سفید جھوٹ ہے اس لئے کہ وہ بیس رکعات تراویح کو سنت موکدہ سمجھتے ہیں اور اس کے تارک پر گناہ گار کا فتوی لگایا ہے ملاحظہ ہو ان کا اصل مسلک:

بیس رکعات تراویح سنت موکدہ ہے اس لئے کہ اس پر صحابہ کرام نے مواظبت کی ہے اگر چہ نبی کریم ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی لازم الاتباع ہے اور اسے چھوڑنے والا گناہ گار ہے۔ اگر چہ سنت خلفاء کے چھوڑنے کا گناہ سنت نبویہ کے چھوڑنے کے گناہ سے کم ہے اور جو آٹھ رکعات تراویح پر اکتفاء کرتا ہے وہ خلفاء راشدین کی سنت کا تارک ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ (تحفۃ الاخیار، ص ۳۰۸، ادارۃ القرآن)

غور فرمائیں کہ علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تو بیس رکعات تراویح کو بطور قیاس اقترانی ثابت کرر ہے ہیں یعنی دعوی التراویح عشرون رکعة صغری دلیل لانہ ما واظب علیہ الخلفاء الراشدون، اور اس میں کوئی کلام نہیں کبری کی دلیل علیکم بسنتی و سنة خلفاء الراشدین صغری و کبری دونوں مسلم ہیں لہٰذا حد اوسط کو حذف کیا نتیجہ نکلا التراویح عشرون رکعة سنة موکدة اب آپ اس نتیجے کو صغری بنائیں اور کبری ہے و کل سنة موکدة یاثم تارکھا نتیجہ التراویح عشرون رکعة یاثم تارکھا۔

پمفلٹ کے مولف کو شرم کرنی چاہئے کہ اسقدر واضح عبارت کے موجود ہوتے ہوئے وہ ان کی مجمل عبارات میں قطع و برید کر کے علماء یہود کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔۔شرم۔۔شرم۔۔شرم۔۔

لطیفہ: موصوف نے علامہ عبدالحی لکھنویؒ کو سنی دیوبندی حضرات کا منظور نظر کہا ہے حالانکہ یہ ہستی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید شہیدؒ کی بھی منظور نظر تھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے داماد، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے پیر بھائی اور حضرت سید احمد شہید کے اجل خلفاء، قاضی القضاء اور جماعت کے امیر المبلغین تھے۔۔ اور ان تینوں حضرات کو غیر مقلدین بھی اپنے اکابر میں شمار کرتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ کا مسلک بھی بیس تراویح ہی تھا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس تحریک کے بانی نے شرک و بدعت کو ختم کرنے کیلئے پورے برصغیر کا دورہ کیا ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں حتی کے اسی راہ میں شہید ہو گئے وہ اپنی جماعت میں ایک بدعتی کو اس قدر اہم عہدوں پر فائز کرے۔۔کلا۔

اعتراض: خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں کہ البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن نہیں۔

جواب: معترض کو شرم کرنی چاہئے کہ اسی عبارت سے اوپر یہ عبارت موجود ہے کہ:

''تراویح آٹھ سے زیادہ کو بدعت کہنا قول کسی عالم کا نہیں بلکہ قول سفہاء کا ہے''۔ (براہین قاطعہ، ص ۸) جس عبارت میں غیر مقلدین کو بے وقوف کہا گیا اسے موصوف ''سعودی ریال'' سمجھ کر ہضم کر گئے۔۔تف ہے ایسی دیانت پر۔۔اور صد حیف ہے ایسی تحقیق

پر۔۔

کار شیطاں می کنند بر نامش ولی

اگر ولی ایں بود لعنت بر ولی

باقی رہا ابن ہمامؒ کا مستحب لکھنا تو اس کی وضاحت ماقبل میں کر دی گئی ہے۔

اعتراض: سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے۔(براہین قاطعہ،ص ۱۹۵)

جواب: یہ عبارت بھی موصوف کو چندہ مفید نہیں اس لئے کہ انھوں نے اختلاف کا لکھا ہے یہ تو نہیں کہا کہ جو اختلاف ہے وہ درست بھی ہے اس سے تو عبارت ساقط ہے۔۔ بلکہ وہ تو بارہ کو بدعت کہنے والوں کو بے وقوف کہہ رہے ہیں۔۔لیکن اس کے باوجود معترض ان کو اپنا ہمنوا سمجھتے ہیں۔۔فیا للعجب !!۔

اعتراض: انور شاہ کشمیری دیوبندی نے بھی آٹھ رکعات تراویح کو سنت کہا ہے۔

جواب: یہ بھی معترض کا محض دھوکہ ہے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی بیس رکعات تراویح کے سنت موکدہ ہونے ہی کے قائل ہیں:

لم یقل احمد من الائمة باقل من عشرین رکعة فی التراویح و الیه ذھب الجمھور ۔(العرف الشذی،ص ۳۰۸،ج۱)

آئمہ میں سے کوئی بھی بیس رکعات تراویح کا قائل نہیں اوراسی قول کو جمہور امت نے لیا ہے۔اسی کتاب کے ص ۳۰۹ پر انھوں نے ابن ہمامؒ کا رد کیا ہے،جنھوں نے بیس رکعات کو مستحب کہا۔

غیر مقلدین سے چند سوالات

(۱) کوئی ایک حدیث بخاری کی یا کم سے کم صحاح ستہ کی دکھادیں جس میں تراویح کا لفظ ہو نبی کریم ﷺ نے پورے ماہ دو رکعت سلام پر جماعت کے ساتھ ایک وتر پر تراویح پڑھائی ہو۔ہم اپنے دعوے سے رجوع کرنے کیلئے تیار ہیں۔

(۲) آٹھ رکعات تراویح والی حدیث غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں ہمارا سوال ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے بیس رکعات پر صحابہ کرام کو جمع کیا اس وقت حضرت عائشہؓ نے اس پر کوئی نکیر کیوں نہیں کی اور حضرت عمرؓ کو معاذ اللہ اس بدعت سے منع کیوں نہیں کیا۔۔؟۔

(۳) کسی بھی مستند حوالے سے ثابت کر دیں کہ صحابہ کرامؓ اور تمام امت کا اجماع ''آٹھ رکعات'' پر ہو گیا تھا ہم اپنے دعوے سے رجوع کیلئے تیار ہیں۔

(۴) سعودی عرب میں آج غیر مقلدوں کی من پسند حکومت ہے وہاں مکہ و مدینہ میں بیس رکعات ہوتی ہیں۔۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا وہ بدعتی ہیں۔۔ اگر نہیں تو کیوں۔۔؟؟ اگر ہاں تو بدعتی کے بارے میں بخاری کی حدیث ہے کہ اس پر اللہ اس کے رسول اور فرشتوں کی لعنت اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ بدعتی کا نہ نفل قبول نہ فرض۔۔ وضاحت فرمائیں کہ کیا (معاذ اللہ) ایسے مبغوض لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔۔؟؟؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ اب تک موصوف یا ان کے اساتذہ یا جماعت کے لوگوں نے کتنے پمفلٹ کتابچے اور فتوے عربی میں آئمہ حرمین کے خلاف لکھے ہیں جس میں ان کو بیس رکعات تراویح پڑھنے پر بدعتی کہا گیا ہے۔۔؟؟؟ قارئن کرام! کوئی ایک بھی نہیں دکھا سکتے اس لئے کہ پھر ریالوں کے نذرانے کہاں سے آئیں گے۔۔۔؟؟؟ مدینہ یونیورسٹی کا سالانہ وظیفہ کہاں سے کھائیں گے۔۔؟؟

ہم ان سوالوں کے تسلی بخش جوابات کے منتظر ہیں لیکن

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا جمہور امت حق کا معیار نہیں۔۔؟؟؟

اس پمفلٹ کے آخر میں ایک صفحہ دیا گیا ہے جس کا عنوان ہے کہ ''اکثریت حق پر نہیں'' الحمد للہ کم سے کم غیر مقلدین نے اتنا تو مان لیا کہ آج بیس رکعات تراویح پر ہی بقول ان کے اکثر امت (حقیقت میں کل امت) کا عمل ہے۔۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اس قسم کے پمفلٹ شائع کرنے کی ضرورت پڑی۔۔ اب مرضی آپ کی ہے چاہیں تو جمہور امت کے ساتھ رہیں چاہیں تو انگریز کے دور میں پیدا ہونے والے ایک ٹولے کا ساتھ دیں۔ پسند اپنی اپنی، امام اپنا اپنا۔

معترض کے اس طرز استدلال نے ہمارے دل کو بہت دکھ پہنچایا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے آج بیس رکعات تراویح پڑھنے والے جس میں صحابہ، چاروں آئمہ سلف صالحین ضال مضل فاسق بے ایمان ہیں معاذ اللہ۔۔ کوئی ہمیں بتائے کہ شیعوں اور آج کے غیر مقلدین میں کیا فرق رہ گیا صرف یہی کہ وہ کھل کر تبراء کرتے ہیں اور یہ تقیہ کی آڑ لیکر۔۔ موصوف جاہل عوام کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھ کر ان کو گمراہ کر رہے ہیں۔۔ فَوَيْلٌ ''لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً'' بڑی خرابی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے ذریعے سے خرید لیں دنیا کا تھوڑا نفع۔

معترض اول تو خود جہالت کا شکار ہیں کہ وہ صحابہ کرامؓ، آئمہ مجتہدین، سلف صالحین کی اکثریت کو آج کل کے مغربی نام نہاد جمہوریت پر قیاس کرتے ہیں۔۔ کیا موصوف کے نزدیک آج کل کے فاسق فاجر لوگوں کی جمہوری اکثریت اور صحابہ کرامؓ، آئمہ مجتہدین کی اکثریت اور رائے میں کوئی فرق نہیں۔۔۔؟؟؟ ہاں اگر ایک طرف محض کثرت ہو اور دوسری طرف قوی دلیل ہو تو سر آنکھوں پر ہم اس اصولی مسئلہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ العبرة للقوة لا للكثرة اور یہی مقام ہے سو سنار کی ایک لوہار کی مگر یقین جانئے مسئلہ آٹھ رکعات تراویح

اس مقام میں ہرگز ہرگز نہیں کیونکہ بیس رکعات تراویح صحیح احادیث وروایات سے ثابت ہے جس پر جمہور (بقول آپ کے ضال ومضل) کا عمل ہے۔

معترض نے اپنے مدعا میں جتنی بھی آیات پیش کی ہیں ان میں سے کوئی بھی ان کو سود مند نہیں اور ہمیں مضر نہیں اس لئے کہ پہلی آیت وَ اِنَّ کَثِیۡراً مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوۡنَ ۔ (المائدہ ۴۹) میں جس فسق کا ذکر ہے وہ کفر کا فسق ہے کفر توحید اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جس میں باطل پرستوں کی اکثریت کا کوئی اعتبار نہیں اور مسئلہ تراویح کی ہرگز یہ پوزیشن نہیں ۔بیس رکعات قائلین کا تمام طبقہ صحابہ تابعین تبع تابعین اور امت مسلمہ کا ہے یہ الگ بات ہے کہ ایک طرف اکثریت دوسری طرف چند گنے چنے حقیقی گمراہ۔دوسری آیت قُلۡ لَا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ (المائدہ ۱۰۰) میں خبیث وطیب میں حرام وحلال کا تقابل ہے مطلب یہ کہ اگر بدقسمتی سے کہیں اکثریت حرام کھانے والوں کی ہو جائے تو وہ حلال کی قلت پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔حرام حرام ہے اور حلال حلال اب ذرا از روئے انصاف فرمائیں بشرطیکہ ہو کہ بیس اور آٹھ رکعات تراویح کا کونسا پہلو طیب اور خبیث ہے۔۔؟؟؟ پھر ان میں سے کون سا گروہ خبثاء اور کونسا طیبین کا ہے؟ جرات رندانہ اور جسارت مجذوبانہ تو آپ کو حاصل ہی ہے اس لئے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر بے لوث اور بے لاگ طریقہ پر ضرور خبثاء اور طیبین کے گروہ کی تعیین کرتے جائیں کیونکہ:

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حور وخیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

تیسری آیت جو پیش کی ہے کہ وَ اِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (الانعام ۱۱۲) میں جس گمراہی کا ذکر ہے وہ کفر اور کافروں کی اطاعت کا ذکر ہے کیا آپ کے نزدیک بیس رکعات پڑھنے والے معاذ اللہ کافر ہیں۔۔؟؟؟ ذرا متصاف صاف کہئے۔چوتھی آیت وَمَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ وَ اِنۡ وَّجَدۡنَا اَکۡثَرَہُمۡ لَفٰسِقِیۡنَ (الاعراف ۱۰۲) پانچویں آیت وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلٌ (ھود ۴۰) چھٹی آیت وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ اور ساتویں آیت فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا (بنی اسرائیل ۸۹) میں بھی جس فسق کا ذکر ہے وہ کفر کا فسق ہے اور اگلی تین آیتوں میں تو صاف کفر اور شرک کا ذکر ہے کیا غیر مقلدوں کے نزدیک بیس رکعات تراویح پڑھنے والے کافر اور مشرک ہیں۔۔؟؟؟ اگر ہاں تو صاف صاف نام لیکر فتوی دو۔۔یہ تقیہ بازی چھوڑ دو۔۔کہو کہ جن جن صحابہ کرامؓ، آئمہ مجتہدین نے بیس رکعات پڑھائیں وہ معاذ اللہ معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد کافر فاسق اور مشرک تھے۔۔۔دو فتوی۔۔مالکم لا تنطقون

صداقت لا نہیں سکتی تاب مصلحت کوشی

جو کچھ کہنا ہے بے کانہ کہئے برملا کہئے

آٹھویں آیت وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ اور نویں آیت وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ بھی ان کو مفید نہیں اس لئے کہ اختلاف اس میں ہے کہ جہاں کسی مسئلہ کے دو پہلو ہوں اور ایک پہلو کو تمام امت نے لے لیا ہو تو وہاں اکثریت کو اقلیت پر ترجیح حاصل

ہوگی اب غیر مقلدین ہی بتائیں کہ جس طرح اللہ کا شکر ادا کرنا لازم اور ایک گونہ عبادت ہے کیا اس کی ناشکری کا پہلو بھی جائز اور مستحسن ہے تا کہ اس کا تقابل شکر گزاری سے کر کے ووٹوں کی گنتی کر کے اکثریت اور اقلیت کو متعین کیا جائے اختلاف نری کثرت اور محض قلت میں نہیں بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ جہاں کسی مسئلہ پر مسلمان علماء خدا پرست ہوں ایک طرف اکثریت اور دوسری طرف اقلیت تو کس کا ساتھ دینا زیادہ مناسب ہے؟ اور یداللہ علی الجماعۃ کا مفہوم کس پر زیادہ صادق آتا ہے اور کس پر چسپاں ہے؟

سخن شناس ہیں نہ دلبرا خطا ایں جاست

اس مضمون سے اگر کسی صاحب کو کوئی علمی ودینی فائدہ ہو تو میرے والدین اساتذہ اور پیر و مرشد کو خصوصی طور پر دعاؤں میں یاد رکھیں کہ یہ انہی کی باطنی توجہات کا اثر ہے ورنہ من آنم کہ من دانم

www.Haqforum.com

www.Ahlehaq.com

رمضان کے مسائل

مفتی محمد صادق آبادی مدظلہ العالی

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱) بھول کر کھا پی لینا:

بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ فرض وواجب روزہ ہو یا نفل، مگر کسی کو یاد دلایا گیا کہ تو روزہ دار ہے، پھر بھی اسے یاد نہ آیا اور کھاتا پیتا رہا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس صورت میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کسی کو کھاتے پیتے دیکھ کر روزہ یاد دلانا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ روزہ دار اس قدر کمزور اور لاغر ہے کہ یاد دلانے پر کھانا تو چھوڑ دے گا مگر کمزوری بڑھ جائے گی اور روزہ پورا کرنا بھی دشوار ہوگا تو یاد نہ دلانا بہتر ہے اور قوی ہو تو یاد دلانا واجب ہے۔

فی الدر: " اذا أكل الصائم أو شرب أو جامع ......ناسيا......ويذكره لو قويا والا لا وليس عذرافی حقوق العباد أو دخل حلقه غبار أوذباب أو دخان أو دهن أو اكتحل...... لم يفطر." (درمختار: ۲/۳۹۴-۴۰۰، ومثلہ فی فتح القدیر: ۲/۲۵۴)

(۲) خوشبو اور دھواں:

کسی قسم کی خوشبو خواہ وہ کتنی ہی تیز ہو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا، اسی طرح گرد وغبار مکھی یا کسی قسم کا دھواں بے اختیار حلق میں اتر جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا گو کہ روزہ یاد ہو۔ ہاں! اگر اپنے قصد واختیار سے دھواں پہنچایا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، مثلاً از خود جلتی سگریٹ، لوبان، اگربتی وغیرہ کے قریب آ کر ان کا دھواں لیتا رہا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ (حوالۂ بالا)

(۳) سرمہ اور تیل وغیرہ:

روزہ میں سرمہ (یا آنکھ کی کوئی دوا) ڈالنا اور داڑھی مونچھوں پر تیل لگانا بھی بلا کراہت جائز ہے، اگر چہ ان کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دے، جبکہ یہ چیزیں ضرورت کے تحت استعمال کی جائیں اور مقصد زینت وزیبائش نہ ہو، ورنہ ان کا استعمال مکروہ ہوگا۔ اسی طرح پچھنے لگوانے میں بھی کراہت نہیں بشرطیکہ کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ (حوالۂ بالا)

(۴) مسواک:

مسواک جیسے بغیر روزہ کے ہر وضو میں سنت ہے یونہی روزہ میں بھی سنت ہے، خواہ صبح استعمال کی جائے یا شام کو اور خواہ تر ہو یا خشک اور مسواک کرتے ہوئے اس کا کوئی ریشہ بے اختیار حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔

" ولا (یکرہ) السواک ولو عشیا أو رطبا بالماء، علی المذھب . " (ردالمحتار : ۴۱۹/۲)

(۵) کلی وغیرہ:

اسی طرح وضو کی ضرورت کے بغیر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، غسل کرنا، گیلا کپڑا بدن پر لپیٹنا بلا کراہت جائز ہے، جبکہ مقصد صرف ٹھنڈک حاصل کرنا ہو، بے صبری اور پریشانی ظاہر کرنے کے لئے یہ کام مکروہ ہیں۔

"وکذا لا تکرہ حجامة و تلفف بثوب مبتل ، و مضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد عند الثانی و به یفتی ." (درمختار : ۴۱۹/۲ ، و مثله فی مراقی الفلاح مع الطحطاوی : ص۳۷۲)

(۶) ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا:

☆ کوئی دواء کوٹی اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا۔

☆ ہلیلہ یا اور کوئی چیز منہ میں چوستا رہا مگر اس کا کوئی جزء حلق میں نہیں اترا۔

☆ کان میں پانی پڑ گیا یا خود ڈالا یا تنکا لے کر کان کھجایا اور اسے میل لگ گئی اور اسی میل سمیت دوبارہ بار بار کان میں ڈالا۔

☆ دانتوں کے درمیان چنے سے کم مقدار کی کوئی چیز پھنسی رہ گئی اسے نگل گیا۔

☆ دانتوں سے خون نکل کر حلق تک پہنچا اور پیٹ تک نہ پہنچا، یا پیٹ میں پہنچ گیا مگر تھوک اس پر غالب تھا۔

☆ ناک کی رطوبت سڑک کر حلق میں لے گیا اور وہ پیٹ میں اتر گئی یا منہ کی رال اور بلغم اسی طرح نگل گیا، خواہ یہ چیزیں اندر ہی اندر نگل لیں یا ناک اور منہ سے باہر نکل کر بہنے لگیں لیکن دھار ٹوٹنے نہ پائی تھی کہ نگل لیں۔

☆ گفتگو کرتے ہوئے ہونٹ لعاب سے تر ہو گئے اور اسے زبان سے چاٹ کر نگل لیا۔

☆ تل یا اس جیسی خفیف سی چیز منہ میں ڈال کر چبائی اور وہ حلق میں اتر گئی مگر اس کا مزہ محسوس نہ ہوا۔

ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹا۔

" (لا یفطر الصوم ان) بقی بلل فی فیه بعد المضمضة أو ابتلعه مع الریق کطعم أدویة ومص اھلیلج بخلاف نحو سکر أو دخل الماء فی أذنه و ان کان بفعله علی المختار کما لو حک أذنه بعود ثم أخرجه وعلیه

درن ثم أدخله ولو مرارا أو ابتلع ما بين أسنافه وهو دون الحمصة لأنه تبع لريقه ولو قدرها أفطر أو دخل أنفه مخاط فاستشمه فدخل حلقه وان نزل لر أس أنفه كما لو ترطب شفتاه بالبزاق عن الكلام ونحوه فاتبلعه الخ . "

(الدر المختار : ۲/۳۹٦)

صبح صادق سے پہلے پان کھا کر منہ اچھی طرح صاف کرلیا مگر صبح ہونے کے بعد بھی پان کی سرخی تھوک میں دکھائی دیتی ہے تو تھوک نگلنے سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔

فی الدر ...... " أو بقی بلل فی فیه بعد المضمضة وابتلعه مع الریق ، کطعم أدویة ومص اهلیلج . "

(۲/۳۹٦)

(۷) انجکشن:

انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرایین یا وریدوں میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اگر پہنچتی بھی ہے تو وریدوں اور مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہے اور فسادِ صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں بذریعہ منفذ اصلی پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرایین اور وریدوں) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعے سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں۔

(امداد الفتاویٰ: ۲/۱٤٥، امداد المفتیین :ص ٤٨٩)

مکروہاتِ روزہ

(۱) بلا عذر کوئی چیز چکھنا یا چبانا:

بلا عذر زبان سے کوئی چیز چکھنا یا منہ میں رکھ کر چبانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے، اگر عذر سے چکھے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے اور عورت کو ڈر ہے کہ اگر سالن میں نمک کم وبیش ہوگیا تو خاوند بگڑ جائے گا تو زبان سے چکھنے میں کراہت نہیں۔

اسی طرح عورت کا چھوٹے بچے کو بلا عذر کوئی چیز چبا کر کھلانا بھی مکروہ ہے، لیکن عذر سے کھلائے کہ بچہ کے لئے دوسری نرم غذا موجود نہ ہو، نہ ہی بغیر روزہ کے کوئی دوسرا آدمی موجود ہو جو بچے کو غذا چبا کر دے تو ایسی صورت میں کراہت نہیں، اسی طرح روزہ دار اگر کھانے کی چیز خریدتے وقت زبان سے چکھ لے تو کراہت نہیں، بشرطیکہ اس چیز کی طرف اسے سخت احتیاج ہو اور بغیر چکھنے خریدنے میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں کراہت کا حکم فرض وواجب روزہ سے متعلق تھا، نفلی روزہ ہو تو کراہت نہیں۔

”وکره له ذوق شئ وکذا مضغه بلا عذر ...... وفی کراهة الذوق عند الشراء قولان ، ووفق فی النهر بأنه ان وجد بدا ، ولم یخف غبنا کره ، والا لاوهذا فی الفرض لا النفل.“ (درمختار:۲/۴۱۶)

(۲) قصداً تھوک جمع کر کے نگلنا:

منہ میں قصداً تھوک جمع کر کے نگل جانا مکروہ ہے لیکن بلاقصد جمع ہو جائے تو نگلنا مکروہ نہیں۔

”لو جمع الریق قصداً ثم ابتلعه فانه لا یفسد صومه .“ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی : ص ۳۷۲)

(۳) منجن یا پیسٹ

کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرنا اور عورتوں کا مسی یا دنداسہ لگانا مکروہ ہے، اگر ان کا کوئی جزء حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (امدا دالفتاویٰ : ۲/۱۴۱ ، احسن الفتاویٰ :۴/۱۳۹)

(۴) بلاضرورت دانت نکلوانا:

روزہ میں ڈاکٹر سے دانت یا ڈاڑھ نکلوانا اور اس جگہ دواء لگانا بوقتِ ضرورتِ شدیدہ جائز ہے اور بلاضرورت مکروہ ہے، اگر دواء یا خون پیٹ کے اندر جائے اور تھوک پر غالب ہو جائے یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

فی الدر : ”أو خرج الدم من بین أسنانه ودخل حلقه ، یعنی ولم یصل الی جوفه ، أما اذا وصل ، فان غلب الدم أو تساویا فسد ، والا لا ، الا اذا وجد طعمه . بزازیة ...... وهو ما علیه الأکثر .“ وفی الحاشیة : ” ومن هذا یعلم حکم من قلع ضرسه فی رمضان ودخل الدم الی جوفه فی النهار . “ (ردالمحتار مع الدر : ۲/۳۹۶)

(۵) غیبت وغیرہ:

غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان تراشی، بیہودہ گوئی، گالی گلوچ، ایذا رسانی اور گناہ کے تمام کام یوں تو ہر وقت ہر حال میں حرام و ناجائز ہیں مگر روزہ دار آدمی کے لئے ان کی حرمت وشناعت دوچند ہو جاتی ہے اور ان کے سبب روزہ سخت مکروہ ہو جاتا ہے بلکہ حدیث کے مطابق ان گناہوں کی نحوست سے روزہ کا اجر وثواب ہی غارت ہو جاتا ہے۔

جن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے

بیماری بڑھ جانے یا جان جانے کا خوف:

اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان پر بن آئے گی یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے، جیسے اچانک پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ بیتاب ہوگیا یا سانپ نے کاٹ کھایا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے، ایسے ہی اگر ایسی پیاس لگے کہ ہلاکت کا ڈر ہو تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔

"المریض اذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة أو امتداده ، فکذلک عندنا ، وعلیه القضاء اذا أفطر." (هندية : ۱/ ۲۰۷)

مسئلہ:

حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچہ کی جان کا ڈر ہے تو روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔

فی الهندية : "الحامل والمرضع اذا خافا علی انفسهما او ولدهما ، أفطر تاو قضتا . " (۱/ ۲۰۷)

مسئلہ:

کوئی سخت کام کرنے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ گئی اور اتنی بے تابی ہوگئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ توڑ دینا درست ہے اور بعد میں قضاء لازم ہے، لیکن قصداً بلا ضرورت ایسا کام کرنا گناہ ہے، البتہ اگر محتاج ہے، نفقہ کا کوئی اور انتظام نہیں اور ایسا کام کرنے پر مجبور ہو تو گناہ بھی نہ ہوگا۔

فی الشامیة : " قال الرملی : وفی جامع الفتاویٰ ولو ضعف عن العمل لا شتغاله بالمعیشة ، فله ان یفطر ویطعم لکم یوم نصف صاع." وفی الدر : " لا یجوز أن یعمل عملا یصل به الی الضعف." (در مختار : ۲/ ۴۲۰)

بیماری بڑھ جانے یا جان جانے کا خوف:

مسئلہ:

اگر ایسا بیمار ہے کہ روزہ سے نقصان ہوتا ہے اور یہ ڈر ہے کہ روزہ رکھے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھا ہوگا یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھے، جب اچھا ہو جائے تو اس کی قضاء رکھ لے، لیکن فقط اپنے دل سے ایسا خیال کر لینے سے روزہ چھوڑنا درست نہیں، بلکہ جب کوئی مسلمان دین دار حکیم، طبیب کہہ دے کہ روزہ تم کو نقصان دے گا تب چھوڑنا چاہئے۔

"ومریض ...... خاف الذیادۃ باخبار طبیب حاذق مسلم مستور." (درمختار : ۴۴۲/۲)

مسئلہ:

اگر حکیم یا ڈاکٹر کافر ہے یا شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں، فقط اس کے کہنے سے روزہ نہ چھوڑے۔

"أما الکافر ، فلا یعتمد علی قوله ، لا حتمال ان غرضه افساد العبادۃ." (ردالمحتار: ۴۲۲/۲)

"أو باخبار طبیب مسلم غیر ظاهر الفسق کذافی فتح القدیر ." (الهندیة : ۲۰۷/۱)

مسئلہ:

اگر حکیم نے تو کچھ نہیں کہا لیکن خود اپنا تجربہ ہے اور کچھ ایسی نشانیاں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے دل گواہی دیتا ہے کہ روزہ نقصان دے گا تب بھی روزہ نہ رکھے اور اگر خود تجربہ کار نہ ہو اور اس بیماری کا کچھ حال معلوم نہ ہو تو فقط خیال کا اعتبار نہیں۔ اگر دیندار حکیم کے بتائے بغیر اور تجربہ کئے بغیر اپنے خیال ہی خیال سے رمضان کا روزہ توڑے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اور اگر صبح سے روزہ ہی نہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، قضاء واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔

فی الدر : " او مریض خاف الزیادۃ......بغلبة الظن بامارۃ او تجربة."

وفی الحا شیة : " و اذا اخذ بقول طبیب لیس فیه هذه الشروط وافطر، فالظاهر لزوم الکفارۃ ، کما لو افطر بدون امارۃ ولا تجربة ." (رد المحتار مع الدر : ۴۲۲/۲)

مسئلہ:

اگر بیماری سے اچھا ہو گیا لیکن ابھی ضعف باقی ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار ہو جائے گا تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے

۔

فی الدر : " وصحیح خاف المرض ."

وفی الحاشیة : " بغلبة الظن کما یأتی." (۴۲۲/۲)

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو کب رخصت ہے؟

حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو جب اپنی جان کا یا بچے کی جان کا کچھ ڈر ہو تو وہ روزہ نہ رکھے، پھر بعد میں قضاء رکھ لے، لیکن اگر اپنا شوہر مالدار ہے کہ کوئی دایہ رکھ کر دودھ پلوا سکتا ہے تو دودھ پلانے کی وجہ سے ماں کو روزہ چھوڑ دینا درست نہیں، البتہ اگر بچہ سوائے اپنی ماں کے کسی اور کا دودھ نہ پیتا ہو تو ایسے وقت میں ماں کو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

"او حامل او مرضع ...... خافت بغلبة الظن علی نفسها او ولدها ، وقیده البهنسی تبعا لا بن الکمال ، بما اذا تعینت للارضاع."

(درمختار : ۴۲۲/۲)

سفر:

مسئلہ:

اگر کوئی مسافر سفر میں ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر بعد میں اس کی قضاء رکھ لے۔ (در مختار : ۴۲۱/۲)

مسئلہ:

مسافر کو روزے سے اگر کوئی تکلیف نہ ہو جیسے ریل پر سوار ہے اور یہ خیال ہے کہ شام تک گھر پہنچ جاؤں گا یا اس کے پاس سب راحت و آرام کا سامان موجود ہے تو ایسے سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور اگر روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضاء رکھ لے تب بھی کوئی گناہ نہیں۔ ہاں رمضان شریف کے روزے کی جو فضیلت ہے اس سے محروم رہے گا اور اگر راستہ میں روزہ کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہو تو ایسے وقت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

" ولکن الصوم افضل ان لم یضره . " (رد المحتار :۴۲۱/۲ ـ ۴۲۳)

مسئلہ:

اگر بیماری سے اچھا نہیں ہوا، اسی میں مر گیا یا ابھی گھر نہیں پہنچا، سفر ہی میں مر گیا تو جتنے روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹے ہیں آخرت میں ان کا مواخذہ نہ ہوگا اور نہ ان کے لئے فدیہ کی وصیت لازم ہے، کیونکہ اسے قضاء رکھنے کی مہلت نہیں ملی۔

"فان ماتوا فیه ای فی ذلک العذر ، فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة، لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر . "

(درمختار : ۴۲۴/۲)

مسئلہ:

اگر راستہ میں پندرہ دن رہنے کی نیت سے ٹھہر گیا تو اب روزہ چھوڑنا درست نہیں کیونکہ اب وہ مسافر نہیں رہا، اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

’’ولو نوی مسافر الفطر او لم ینو فاقام و نوی الصوم فی و قتھا قبل الزوال صح مطلقا ...... ویجب علیه الصوم لو کان فی رمضان ، لزوال المرخص .‘‘ (در مختار : ۲/۴۳۱)

جن صورتوں میں روزہ واجب نہ ہونے یا فاسد ہو جانے کے باوجود کھانا پینا منع ہے

کسی نے رات کے گمان میں سحری کھائی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا غروب کے گمان میں افطار کر لیا حالانکہ دن ابھی باقی تھا یا مسافر دن میں سفر سے لوٹ آیا یا عورت دن میں حیض ونفاس سے پاک ہوگئی یا مجنون کو دن میں افاقہ ہو گیا یا کسی کا روزہ ٹوٹ گیا، خواہ جبراً تڑوا دیا گیا یا غلطی سے پانی وغیرہ حلق میں اتر گیا یا کافر دن میں مسلمان ہو گیا یا نابالغ بالغ ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں دن کا بقیہ حصہ بغیر کھائے پیے روزہ داروں کی طرح گذارنا واجب ہے اور آخر کے دو شخصوں (نو مسلم، نو بالغ) کے سوا بقیہ تمام لوگوں پر اس روزہ کی قضاء بھی واجب ہے، اگر بچے نے بلوغ کے بعد نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کر لی، جبکہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو اس کا نفل روزہ ہو جائے گا، عورت صبح صادق کے بعد پاک ہو کر روزہ کی نیت کر لے یا کافر مسلمان ہونے کے بعد نیت کر لے تو اس کا روزہ نہ ہو گا نہ فرض نہ نفل۔

’’ولو بلغ صبی او اسلم کافر امسک یومه ولم یفض شیئا...... کل من صار فی آخر النهار بصفة لو کان فی اول النهار علیها للزمه الصوم فعلیه الامساک کا لحائض و النفساء تطهر بعد طلوع الفجر او معه والمجنون یفیق والمریض یبرا والمسافر یقدم بعد الزوال او الاکل والذی افطر عمدا او خطا لو مکر ها او اکل یوم الشک ثم استیان الزمن رمضان او افطر وهو یری ان الشمس قد غربت او تسحر بعد الفجر ولم یعلم ...... صبی بلغ قبل الزوال و نصرانی اسلم و نویا الصوم قبل الزوال لا یجوز صومهماعن الفرض غیر ان الصبی یکون صا ئما عن النطوع بخلاف الکافر لفقد الا هلیة فی حقة.‘‘

(البحر:۲/۲۸۸_۲۸۹)

مفسداتِ روزہ

خطأً کوئی چیز کھا پی لی یا زبردستی کھلا دی گئی:

☆ روزہ یاد تھا مگر کلی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے بے اختیار کچھ پانی حلق سے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا

ہے۔

☆ نیند میں کسی نے پانی منہ میں ڈال دیا اور پی گیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

☆ کھانے پینے یا جماع پر مجبور کیا گیا یعنی روزہ نہ توڑنے کی صورت میں جان سے مار دینے یا کسی عضو کے تلف کر دینے یا کسی بڑے صدمے سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی اور اس نے یہ کام کر لئے تو روزہ جاتا رہا۔

☆ بھول کر کھا پی لیا یا جماع کر لیا یا احتلام ہو گیا یا نظر شہوت سے دیکھ کر انزال ہو گیا یا تھوڑی سی قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹا، لیکن اگر ان صورتوں میں اس نے یہ گمان کر کے کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں صرف ایک روزہ قضاء رکھنا فرض ہے، کفارہ لازم نہیں۔

" اکل او جامع ناسیا او احتلم او انزل بنظر او ذرعه القی‘فظن انه افطر فاکل عمدً للشبهة ولو علم عدم فطره لزمنه الکفارة الا فی مسئله المتن فلا کفارة مطلقا علی المذهب لشبهة ۔ (ردالمحتار : ۴۰۱/۲)

قے کی صرف دو صورتیں مفسدِ صوم ہیں:

قے کی بہت ساری صورتیں ہیں، ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹتا ہے: ایک یہ کہ قصداً منہ بھر کر قے کی، خواہ باہر پھینک دے یا منہ میں لوٹا لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بے اختیار منہ بھر کر قے آئی اور اس نے قصداً منہ میں لوٹا لی اگرچہ چنے کے برابر ہی لوٹائی ہو، ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہو جاتی ہے بشرطیہ قے کرتے وقت روزہ یاد ہو اور قے میں بھی کھانا یا پانی یا صفراء یا خون آئے، بلغم نکلنے سے کسی صورت میں روزہ نہیں جاتا۔

ان دو صورتوں کے سوا قے کی جتنی صورتیں ہیں کسی میں روزہ نہیں ٹوٹتا، مثلاً قصداً قے کی اور منہ بھر کر نہ آئی یا بے اختیار آئی مگر منہ بھر سے کم تھی یا منہ بھر تھی مگر لوٹائی نہیں، خواہ وہ باہر نکل آئی یا بے اختیار لوٹ گئی یا لوٹا لی مگر چنے کی مقدار سے بھی کم یا قصداً منہ بھر قے کی یا بلا قصد منہ بھر آئی اور لوٹا لی لیکن روزہ دار ہونا یاد نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ ٹوٹا۔

قال فی الدر : " وان ذرعه القیء و خرج ولم بعد، لا یفطر مطلقا ملا اولا ، فان عاد بلا صنعه ولو هو مل ء الغم مع تذکره للصوم لا یفسد خلافا ثلثانی وان اعاده او قد رحمعة منه فا کثر ،حدادی افطر احماعا ولا کفارة ان ملا الغم والا فلا هو المختار ، وان استقاء ......عامدا......ان کان مل ء القم فسد بالاجماع ." (درمختار : ۴۱۴/۲)

اگر ایک مجلس میں قصداً بار بار قے کی جس کا مجموعہ منہ بھر کی مقدار کو پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اور مجموعی مقدار اس سے کم ہو یا کئی مجالس میں اتنی قے کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

قال فی الفتح : " ولو استقاء مرادا : " فی مجلس مل فیه ، لزمه القضاء ،وان کان فی مجالس ، او غدو ةثم نصف النهار ثم عشیة ، لا یلزمه ،کذا نقل من خزانه الاکمل ،" (فتح القدیر:۲۶۰/۲)

فدیہ کے مسائل

☆ روزہ پر نہ قدرت ہو نہ آیندہ امید:

جس کو اتنا بڑھاپا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی یا اتنا بیمار ہے کہ اب نہ اچھے ہونے کی امید ہے نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کے برابر غلہ دے دے یا صبح وشام بھر کے اس کو کھلا دے۔ اس کو فدیہ کہتے ہیں۔ اگر غلہ کے بدلے میں اسی قدر غلہ کی قیمت دے دے تب بھی درست ہے۔

پھر اگر کبھی طاقت آگئی یا بیماری سے اچھا ہو گیا تو سب روزے قضاء رکھنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کو ثواب الگ ملے گا۔

"فی الدر : " فان عجز عن الصوم لمرض لا یرجی برء ہ أو کبر أطعم. " وفی الحاشیة : " فلو برئ وجب الصوم ، رحمتی ." (رد المحتار مع الدر : ۳/ ۴۷۸)

☆ میت نے فدیہ کی وصیت کی ہو:

جس کے ذمہ کئی روزے قضاء تھے وہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے روزوں کے بدلے فدیہ دے دینا تو اس کے مال سے اس کا ولی فدیہ دے دے اور کفن، دفن، قرض اداء کر کے جتنا مال بچے اس کی ایک تہائی سے اگر سارا فدیہ اداء کرنا ممکن ہو تو دینا واجب ہوگا اور اگر سارا فدیہ تہائی مال سے اداء نہ ہو سکتا ہو تو جس قدر اداء ہو سکتا ہو دے دیا جائے۔

"ولو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر، أو استدام المرض والسفر ، حتی مات ، لا قضاء علیه ، لکنه ان أوصٰی بأن یطعم عنه صحت وصیته وان لم تجب علیه ویطعم عنه من ثلث ماله ...... فان برئ المریض ...... وأدرک من الوقت بقدر مافاته فیلزمه قضاء جمیع ما أدرک فان لم یصم حتی أدرکه الموت ، فعلیه أن یوصی بالفدیة . " (هندیة : ۱/ ۲۰۷)

☆ فدیہ کی وصیت نہ کی ہو:

اگر اس نے وصیت نہیں کی مگر ولی نے اپنے مال سے فدیہ دے دیا تب بھی اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ شاید قبول کرے اور ان روزوں کا مواخذہ نہ کرے۔

بغیر وصیت کئے خود میت کے مال میں سے فدیہ دینا جائز نہیں، اسی طرح اگر تہائی مال سے زیادہ ہو جائے تو باوجود وصیت کے بھی زیادہ دینا سب وارثوں کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں، ہاں سب وارث نہایت خوش دلی سے راضی ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں فدیہ

دینا درست ہے، لیکن نابالغ وارث کی رضا کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں، بالغ وارث اپنا حصہ جدا کر کے اس میں سے دے دیں تو درست ہے۔

فی الشامية : " أما اذا لم يوص بفدية الصوم ، يجوز أن يتبرع عنه وليه ...... فان زادت الوصية على الثلث ، لا يلزم الولی اخراج الزائد الا باجازة الورثة . " (۲/۷۲-۷۳)

وفی الهندية : " فان لم يوص وتبرع عنه الورثة جاز ، ولا يلزمهم من غير ايصاء ." (۲۰۷/۱)

☆ فدیہ کی مقدار:

اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا تو صحت کے بعد روزہ قضاء رکھنا فرض ہے، البتہ اگر صحت کی کوئی امید نہیں رہی اور آخر دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوسی ہے، چھوٹے اور ٹھنڈے ایام میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو ایک روزہ کے عوض نصف صاع گندم یا اس کی قیمت کسی مسکین کو دیدے۔

فی الهندية : " ويطعم عنه وليه لكل يوم نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير . كذا فی الهداية . " (۲۰۷/۱)

☆ نصف صاع کی مقدار :

نصف صاع بعض علماء کے قول کے مطابق پونے دو کلو کا ہوتا ہے، جبکہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق سوا دو کلو کا ہوتا ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت اداء کی جائے، کیونکہ اس میں فدیہ کی ادائیگی یقینی ہے۔ عبادات میں احتیاط ہی پر عمل کرنا چاہئے۔

(أحسن الفتاویٰ : ٤ / ٤٣٢ - ٤٣٤)

☆ فدیہ و کفارہ کافر کو دینا جائز نہیں :

فدیہ اور کفارہ کا کھانا کافر حربی (جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو) کو دینا بالاتفاق جائز نہیں اور ذمی (جو کسی مسلم ملک میں رہتا ہو) کو دینے میں اختلاف ہے، عدم جواز راجح ہے۔ البتہ اگر کسی نے دے دیا تو کفارہ اداء ہو جائے گا۔

فی الشامية : " وفی الحاوی : وان أطعم فقراء أهل الذمة جاز ، وقال أبو يوسف لا يجوز وبه نأخذ ، قلت : بل صرح فی كافی الحاكم بأنه لا يجوز ، ولم يذكر فيه خلافا ، وبه علم أنه ظاهر الرواية عن الكل . "

(۲۷۹/۳)

☆ گذشتہ سالوں کے فدیہ میں وقتِ اداء کی قیمت معتبر ہے:

اگر کسی کے چالیس سال قبل روزے قضاء ہوگئے، اب بوجہ ضعف قضاء رکھنے سے معذوری ہے، تو کیا فدیہ میں گندم کی قیمت چالیس سال قبل کی لگائی جائے گی جب روزے قضاء ہوئے تھے، یا موجود نرخ لگایا جائے گا، اگر اقساط میں فدیہ اداء کیا جائے تو نیت کے روز جو نرخ ہے وہ محسوب ہوگا، یا بوقت اداء جو نرخ ہوگا وہ واجب الاداء ہوگا؟ اس بارے میں عموماً لوگ سوال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فدیہ میں اصل واجب خود گیہوں ہے، قیمت اس کے قائم مقام ہے، اس لئے اگر قیمت دینا چاہے تو بہر صورت وقت اداء کے نرخ کا اعتبار ہے۔

فی الدر : " وجاز دفع القيمة فی زكاة وعشر ...... وكفارة غير الاعتاق ، وتعتبر القينة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء . وفی السوائم يوم الأداء اجماعا وهو الأصح . وفی الشامية تحته (قوله وهو الاصح) أی كون المعتبر فی السوائم يوم الأداء اجماعا هو الأصح فانه ذكر فی البدائع أنه قيل ان المعتبر عنده فيها يوم الوجوب وقيل يوم الأداء اه ،وفی المحيط : يعتبر يوم الأداء بالا جماع وهو الأصح اه فهو تصحيح للقول الثانی الموافق لقولهما وعليه فا عتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما . (درمختار : ۲ / ۲۰۷)

☆ فدیہ رمضان سے قبل دینا جائز نہیں:

رمضان سے قبل اداء کرنے سے فدیہ ادا نہ ہوگا، البتہ رمضان شروع ہونے کے بعد آیندہ ایام کا فدیہ ایک ساتھ دے سکتے ہیں۔

(أحسن الفتاویٰ : ٤ /٤٣٥)

دعاء کی اپیل

ہمارے ایک دوست اور معاون محمد شفیق بھائی کی والدہ کی طبعیت کافی عرصہ سے خراب ہے تمام احباب سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے

صدقۂ فطر

شرائطِ وجوب

صدقۂ فطر کس شخص پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو بنیادی ضروریات (مکان، لباس، سواری، ضروری ہتھیار وغیرہ) سے زائد نصاب کا مالک ہو، اس میں عاقل وبالغ ہونا شرط نہیں۔ (الجوھرۃ النیرۃ: ١/١٧٠)

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر صرف اس شخص پر فرض ہے جس کے ذمہ زکوٰۃ اداء کرنا فرض ہے، حالانکہ یہ درست نہیں، زکوٰۃ تو صرف سونے، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں فرض ہوتی ہے، جبکہ صدقۂ فطر کے نصاب میں زائداز ضرورت اشیاء کو بھی شمار کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ بالکل موجود نہیں لیکن زائداز ضرورت اشیاء نصاب (612٫35 گرام چاندی یا 87٫479 گرام سونے کی قیمت) کی مقدار میں ہیں، یا اموال زکوٰۃ مقدار نصاب سے کم مالیت کے ہیں لیکن زائداز ضرورت اشیاء کو ملانے سے ان کی مجموعی مالیت نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں صدقۂ فطر اداء کرنا واجب ہے۔ (الجوھرۃ النیرۃ: ١/١٧٠)

لوگوں میں ایک بات مشہور ہے کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی صرف اس شخص پر واجب ہے جو روزے رکھے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ صدقۂ فطر ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ (نصاب کی تفصیل اوپر لکھ دی گئی) خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں اور روزہ نہ رکھنا کسی عذر سے ہو یا بلا عذر، صدقۂ فطر بہر صورت اس پر واجب ہے۔

"وأما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب فی قول أبی حنيفة وأبی يوسف حتى تجب صدقة الفطر على الصبی والمجنون اذا كان لهما مال ويخرجها الولی من مالهما." (بدائع: ٢/٥٣٥)

"تجب على كل حر مسلم ولو صغيرا أو مجنونا ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلية وان لم ينم."
(التنوير مع شرحه: ٢/٣٦٠)

"وكذلك وجود الصوم فی شهر رمضان ليس بشرط لو جوب الفطرة حتى ان من أفطر لكبر أو مرض أو سفر يلزمه صدقة الفطر لأن الأمر بأدائها مطلق عن هذا الشرط، ولأ نهاتجب على من لا يوجد منه الصوم وهو الصغير." (بدائع: ٢/٥٣٥)

صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟

صدقۂ فطر عید الفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا صبح صادق سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوگیا یا فقیر مالدار ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اسی طرح صبح صادق کے بعد جو شخص فوت ہوا یا مالدار فقیر بن گیا اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔ اس کے برعکس جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہوگیا یا مالدار فقیر بن گیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی واجب نہیں ۔ (فتاوی عالمگیریہ : ۱۹۲/۱)

وأما و قست وجوب صدقة الفطر هو وقت طلوع الفجر الثانی من یوم الفطر ...... ومن مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وان مات بعده وجبت. " (بدائع : ۵۴۴/۲)

صدقۂ فطر کب اداء کیا جائے؟

مستحب تو یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے اداء کر دیا جائے تاکہ غریب اور نادار مسلمان بھی مالداروں کے ساتھ عید کی خوشی میں شریک ہوں، لیکن کسی نے ادائیگی میں تاخیر کردی تو صدقۂ فطر اس سے ساقط نہ ہوگا، عمر بھر اس کے ذمہ واجب رہیگا، جب بھی اداء کرے اداء ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔ اگر اداء کئے بغیر موت کا وقت آ گیا تو وصیت کرنا واجب ہے، جو میراث کی تہائی میں نافذ ہوگی۔ وصیت نہ کرنے کی صورت میں ورثہ کے ذمہ کچھ نہیں، البتہ اگر بالغ ورثا اپنی طرف سے اداء کریں تو درست ہے۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد ادائیگی میں سستی کی، حتیٰ کہ مال ضائع ہوگیا تو بھی صدقۂ فطر ذمہ میں واجب رہے گا، بخلاف زکوٰۃ وعشر کے کہ وہ مال تلف ہونے کی صورت میں ساقط ہو جاتے ہیں۔

"ویستحب اخراجها قبل الخروج الی المصلی بعد طلوع الفجر . "

"فلا تسقط الفطرة و کذا الحج بهلاک المال بعد الوجوب . "

" اذا مات من علیه زکاة أو فطرة أو کفارة أو نذر لم تؤخذ من ترکته عندنا الا أن یتبرع ورثته بذلک وهم من أهل التبرع ولم یجبروا علیه وان أوصٰی تنفذ من الثلث . " (شامیة : ۳۵۹/۲)

صدقۃ الفطر عید کے دن سے کتنا پہلے دیا جا سکتا ہے؟

راجح یہی ہے کہ جب بھی چاہیں صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں، لہٰذا رمضان کے مہینے سے پہلے پہلے اداء کرنا بھی صحیح ہے، بلکہ اگر کئی سالوں کا صدقۃ الفطر ایک ساتھ دے تو بھی جائز ہے۔

فی الشامیة : "قلت : وحیث کان فی المسألة قولان مصححان یخیر المفتی بالعمل بأیهما شاء الا اذا کان لأ حدهما مرجح ککونه ظاهر الروایة أو مشی علیه أصحاب المتون والشروح ...... وقد جمعت هذه

المرجحات للقول بالاطلاق فلا یعدل عنه فافهم . " (۳۶۷/۲)

صدقۃ الفطر متفرق طور پر دینا:

صدقۃ الفطر میں دونوں طریقے جائز ہیں، خواہ ایک آدمی کا صدقۃ الفطر متعدد مستحقین پر تقسیم کیا جائے یا ایک ہی مسکین کو دیا جائے، البتہ ایک مسکین کو دینا بہتر ہے، اسی طرح متعدد اشخاص کا ایک مسکین کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

فی الدر : " وجاز دفع کل شخص فطرة الی مسکین أو مسکینین علی ما علیه الأکثروبه جزم فی الولو الجیة والخانیة والبدائع والمحیط ، فکان هو المذهب کتفریق الزکاة . والأمر فی حدیث أغنوهم . للندب، فیفید الأولویة ، کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلا خلاف " (الدر المختار : ۳۶۷/۲)

صدقۂ فطر کس کی طرف سے واجب ہے؟

صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے اداء کرنا واجب ہے، نابالغ بچوں میں کوئی صاحب نصاب ہے تو فطرانہ اسی کے مال میں سے دیا جائے اور یہی حکم مجنون اولاد کا ہے۔ (هدایه مع فتح القدیر : ۲۲۰/۲)

درج ذیل رشتہ داروں کی طرف سے صدقۂ فطر اداء کرنا واجب نہیں:

بیوی، بالغ اولاد، والدین، بہن، بھائی ودیگر اعزہ گو کہ اس کے عیال میں ہوں (اس کے زیر کفالت ہوں) ہاں اگر والد مسکین اور مجنون ہوں تو بیٹے پر ان کا صدقۂ فطر اداء کرنا واجب ہے، اپنی بالغ اولاد اور بیوی کا صدقہ ان سے اجازت لئے بغیر بھی اداء کر دیا تو اداء ہو جائے گا، بشرطیکہ بالغ اولاد اس کے عیال میں ہو، ورنہ صدقۂ فطر اداء نہ ہوگا اور باقی رشتہ داروں میں کسی کی طرف سے بھی بلا اجازت اداء کرنے سے اداء نہ ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیریه : ۱۹۲/۱)

ماں کے ذمہ بچوں کا فطرانہ نہیں، خواہ وہ مالدار ہی ہو (ردالمحتار : ۳۶۱/۲)

نابالغ اور مجنون اگر صاحبِ نصاب تھے اور ان کے سرپرست نے ان کے مال سے صدقۂ فطر اداء نہ کیا تو بالغ ہونے پر اور جنون زائل ہونے پر دونوں کے ذمہ گزشتہ سالوں کا صدقۂ فطر اداء کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر یہ دونوں صاحبِ نصاب نہ تھے اور ان کے سرپرست نے بھی ان کی طرف سے اداء نہ کیا تو ان کے ذمہ کچھ نہیں۔ (بدائع الصنائع : ۹۲/۲)

"وأما العقل والبلوغ فلیسا من شرائط الوجوب فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف حتیٰ تجب علی الصبی والمجنون اذا کان لهما مال ویخرجها الولی من مالهما . "(شامیة : ۳۵۹/۲)

" لا عن زوجة وولده الکبیر العاقل ولو أدی عنهما بلا اذن أجزأ استحسانا للأذن عادة ، أی لو فی عیاله والا فلا . " (تنویر : ۳۶۳/۲)

" وأشار الی أنها لا تجب أیضا علی الابن عن أبیه ولو فی عیاله الا اذا کان فقیراً مجنونا کما فی البحر

والنهر ......لكن حكى فى جامع الصغار الاجماع على الوجوب (اذا كان الأب فقيراً مجنونا) معللا بوجود الولاية والمؤنة جميعا . " (شامية : ٢ / ٣٦٣)

" فى البدائع أن الصبى الغنى اذا لم يخرج وليه عنه ففى أصل أبى حنيفة و أبى يوسف أنه يلزمه الأداء لأنه يقدر عليه بعد البلوغ ......فلو كانا فقيرين لا يلزمهما الأداء بعد البلوغ والافاقة لعدم الوجوب عليها . " (شامية : ٢ /٣٦)

دادا پر پوتوں کا صدقۃ الفطر دینا لازم نہیں:

دادا پر پوتے کا صدقۃ الفطر دینا لازم نہیں، خواہ اس کا والد فوت ہو گیا ہو یا زندہ ہو لیکن فقیر ہو، ہاں اگر دے دے تو بہتر ہے۔

فى الشامية : "قلت : لكن فى الخانية : ليس على الجد ان يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر اذا كان الأب حيا باتفاق الروايات ، وكذالو كان الأب ميتا فى ظاهرا الرواية . "(٢/٣٦٢)

وأما الأفضلية فلو جو دقول صاحب الدر : "والجد كالأب عند فقده أو فقره كما اختاره فى الاختيار . " (٢/٣٦٢)

اس مہینے میں

خدا کا فضل اترتا ہے اس مہینے
کہ بدچلن بھی سنرتا ہے اس مہینے میں

جو سر پر خاک نہ ڈالے تو کس لئے ابلیس
کہ اس کا خواب بکھرتا ہے اس مہینے میں

تمام سال جو ہوتا نہیں ہے سیر بطن
خود اس کا پیٹ بھی بھرتا ہے اس مہینے میں

جو اہل عشقِ حقیقی ہیں کیوں نہ ہوں شاداں
کہ زہد و تقوی نکھرتا ہے اس مہینے میں

یہی مہینہ سفینہ نوح کا گویا
کہ ڈوبتا بھی ابھرتا ہے اس مہینے میں

کہ جیسے ماہ نہیں چند ساعتیں گزریں
کچھ ایسے وقت گزرتا ہے اس مہینے میں

تمام سال ہو شیطان و نفس سے مامون
جو رب سے دوستی کرتا ہے اس مہینے میں

(اثر جون پوری)

صدقۂ فطر کی مقدار و مصارف

صدقۂ فطر کی مقدار:

اگر صدقۂ فطر میں گندم، جو، کھجور اور کشمش چار اجناس میں سے کوئی جنس ادا کرنا چاہیں تو وزن کا لحاظ ضروری ہے، یعنی گندم سے ادا کریں تو نصف صاع اور جو، کھجور، کشمش سے ادا کریں تو ایک صاع ہے، گندم اور جو کے آٹے اور ستو کا بھی وہی حکم جو گندم اور جو کا ہے، بقیہ اجناس (مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ) سے اگر فطرانہ ادا کرنا چاہیں تو وزن کا اعتبار نہیں بلکہ قیمت کا لحاظ ضروری ہے، یعنی ان کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور یا کشمش کی قیمت کے برابر ہو، وزن خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم۔ لہٰذا کسی نے کم قیمت کھجوروں کے ایک صاع کی جگہ اس کی قیمت کے مساوی نصف صاع عمدہ کھجور ادا کی تو جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے مکئی، باجرہ یا چاول کا ایک صاع ادا کیا مگر اس کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور وغیرہ کی قیمت سے کم تھی تو جائز نہیں۔

"نصف صاع من بر أو صاع من تمر أو شعير ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة."

(٣٦٥/٢)

"قال فى البدائع : ولا يجوز أداء المنصوص عليه بعضه عن بعض باعتبار القيمة سواء كان الذى أدى عنه من جنسه أو من خلاف جنسه بعد أن كان من المنصوص عليه." (شامية : ٢ / ٣٦٤)

نصف صاع کی مقدار:

بعض علماء کے قول کے مطابق نصف صاع پونے دو کلو کا اور صاع ساڑھے تین کلو کا ہوتا ہے، جبکہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق نصف صاع سوا دو کلو اور صاع ساڑھے چار کلو کا ہوتا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے اور اس میں احتیاط بھی ہے، کیونکہ اس تحقیق پر عمل کرنے میں صدقۂ فطر کی ادائیگی یقینی ہے، اور عبادات میں احتیاط پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

جنس یا قیمت:

فطرانہ میں چاہیں یہی اشیاء ادا کریں، چاہیں بصورت نقد ان کی قیمت ادا کریں، ہر طرح جائز ہے، بلکہ نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس سے فقیر اپنی ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے۔

فى الدر : " ودفع القيمة أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به."

وفى الحاشية : " العلة فى أفضلية القيمة كونها أعون على دفع حاجة الفقير الحتمال أنه يحتاج الى غير

الحنطة .“ (شامية : ۲/۳٦٦)

بازار میں راشن کے آٹے کا بھاؤ کم اور گیہوں کا بھاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ایسے میں صدقۃ الفطر کے لئے گیہوں کی قیمت اداء کریں، آٹے کی قیمت گیہوں سے کم ہو تو آٹا یا اس کی قیمت دینے سے صدقۃ الفطر اداء نہ ہوگا۔ (أحسن الفتاوی : ۴/۳۸۴)

صدقۂ فطر کا مصرف کون؟

صدقۃ الفطر کا مصرف ہر وہ شخص ہے جو مصرف زکوۃ ہے۔ (ردالمحتار : ۲/۳٦۹)

یعنی جس کی ملک میں سونا، چاندی، مالِ تجارت، نقدی اور زائد از ضرورت اشیاء میں سے کوئی چیز نہ ہو یا ہو لیکن بقدر نصاب (52ء5 تولہ چاندی کی قیمت) سے کم ہو۔

” وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف .“ (شامية : ۲/۳٦۹)

امام کو زکوۃ وصدقۂ فطر دینا

امام کو زکوۃ وصدقۂ فطر دینا دو شرطوں سے جائز ہے:

۱۔ امام مستحق زکوۃ ہو۔

۲۔ لوگ یہ رقم اسے امامت یا قرآن سنانے کی اُجرت کے طور پر نہیں بلکہ اداء زکوۃ وصدقۂ فطر کے طور پر دیتے ہوں۔

اگر امام مستحق زکوۃ نہیں، یا یہ رقم اسے اُجرت کے طور پر دی جاتی ہے تو امام کو دینا اور اس کے لئے لینا جائز نہیں، لوگوں کی زکوۃ و صدقہ فطر بھی اداء نہیں ہوگا۔

فى الشامية : ” لو دفع الى من قضى عليه بنفقته من أنه لا يجزيه عن الزكاة ان احتسبه من االنفقة وان احتسبه من الزكاة يجزيه .“ (۲/۳۵٦)

صدقۂ فطر اور جہادی تنظیمیں:

صدقہ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا مصرف ہے، یعنی مساکین، لہٰذا جو مدارس اور جہادی تنظیمیں مستند علماء کی زیر نگرانی کام کر رہی ہیں اور زکوۃ وصدقۂ فطر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا اہتمام کرتی ہیں، انہیں زکوۃ وصدقۂ فطر دیا جاسکتا ہے، بلکہ مدارس کے طلبہ اور مجاہدین کو دینے میں دین کی حفاظت واشاعت کا اجر بھی ملے گا۔

”التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل ، كذا فى الزاهدى .“ (هندية : ۱/۱۲۸۷)

صدقۃ الفطر ایک مرتبہ واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتا:

عید کے دن صبح صادق نکلتے وقت صاحبِ نصاب ہو تو اگر چہ بعد میں یہ فقیر ہو جائے یا وہ مال ونصاب ہلاک ہو جائے جس کی بنیاد پر اس پر صدقۃ الفطر لازم تھا تو صدقۂ فطر ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ باقی ہے، جب بھی قدرت حاصل ہو دینا لازم ہے۔

فی الدر : " فلا تسقط الفطرة و کذا الحج بهلاک المال بعد الوجوب . " (٣٦١/٢)

سونے چاندی کے سوا دوسرے زیور سے صدقۃ الفطر کا حکم:

جب عورت کی ملکیت میں سونے چاندی کا زیور یا جہیز کا وہ سامان جو گھر کی بنیادی ضرورت نہیں، محض زیب وزینت کے لئے ہوتا ہے بقدرِ نصاب ہو تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

البتہ سونے، چاندی کے سوا وہ زیور جو زینت کے لئے استعمال ہوتے ہوں مثلاً ہیرے، جواہرات وغیرہ تو اس میں دو قول ہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ان کی وجہ سے نصاب مکمل ہو صدقۃ الفطر اداء کیا جائے۔

"سئل الحسن بن علی عمن لها جو اهرو لآلی تلبسها فی الأعیاد و تتزین بها للزوج ولیست للتجارة هل علیها صدقة الفطر ؟ قال نعم اذا بلغت نصابا وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا یجب علیها شئ . " (شامیه : ٣٤٨/٢)

صدقۃ الفطر کس کو دینا افضل ہے؟

جہاں صدقۃ الفطر دینے والا موجود ہو اس جگہ کے فقراء کو دینا افضل ہے، اگر چہ جس کی طرف سے دے رہا ہو مثلاً نابالغ اولاد وغیرہ وہ دوسری جگہ ہوں۔

فی الشامیة : " قلت : لکن فی التتار خانیة : یؤدی عنهم حیث هو ، وعلیه الفتویٰ وهو قول محمد ، ومثله قول أبی حنیفة ، وهو الصحیح . " (٣٥٦/٢)